www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

حیات وخدمات

عبدالعلیم قدوائی

صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

حیات وخدمات

عبدالعلیم قدوائی

صدیق فاؤنڈیشن لکھنؤ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

پہلا ایڈیشن

نام کتاب	:	مولانا عبدالماجد دریابادی حیات وخدمات
نام مصنف	:	عبدالعلیم قدوائی
صفحات	:	۱۷۶
سنہ اشاعت	:	جنوری ۲۰۰۹ء
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ	:	قاری شہاب اللہ صدیقی، موبائل نمبر :9454324686
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
قیمت	:	روپے

ملنے کے پتے :

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ ☆ حرمین بکڈپو، کچہری روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیرآباد، لکھنؤ

ناشر :

صدق فاؤنڈیشن

خاتون منزل، حیدر مرزا روڈ، گولہ گنج، لکھنؤ-226018

E-mail : info@sidqfoundation.com,
nrsiddiqui@rediffmail.com
www.sidqfoundation.com
Mobile. : 9335929670

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
فوٹو	۴
پیش گفتار	۵
دیباچہ	۷
باب اول:	
کتاب زندگی کے اوراق از پیدائش تا وفات	۹
باب دوم:	
علمی وادبی خدمات	۷۷
باب سوم:	
میدان صحافت میں کارنامے	۱۴۴
ضمیمہ اول:	
تصنیفات کی موضوعاتی فہرست۔ کتابوں کے ملنے کے پتے	۱۶۸
ضمیمہ دوم:	
سچ، صدق اور صدق جدید کی ترتیب و مشمولات کا تذکرہ	۱۷۲
ضمیمہ سوم:	
مولانا کے اہم حالات کا تاریخ وار تذکرہ	۱۷۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوٹو

مولانا مرحوم گوفوٹو کی حرمت کے قائل نہ تھے مگر انہیں اس سے طبعی کراہیت تھی۔ ان کی خواہش کے احترام میں ان کا فوٹو شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ ایک مرتبہ حکومت ہند کے سرکاری اردو رسالہ کی فرمائش پر مولانا نے اپنی زندگی کے حالات ''غبار کاروان'' کے عنوان سے ایک مضمون میں لکھے۔ ایڈیٹر صاحب نے فوٹو کا تقاضہ کیا اس کے جواب میں مولانا نے غالب کا یہ شعر لکھ بھیجا۔

عشق اور مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب
ہم کو منظور تکو نامی فرہاد نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

مایہ ناز مفسر قرآن اور ممتاز ادیب وصحافی مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (۱۸۹۲ء-۱۹۷۷ء) ایک باکمال اور توفیق یافتہ اہل قلم تھے۔ ان کو رب کریم نے علم کی دولت، قلم کی امانت اور وقت کی قدر کرنے جیسی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا۔ انہوں نے ایک طرف تو قرآنیات اور اسلامیات کے باب میں بیش بہا خدمات انجام دیں، تو دوسری طرف انہوں نے صحافت، فلسفہ، نفسیات، ترجمہ نگاری، سوانح نویسی اور ادب کے دیگر گوشوں کو بھی بھرپور نوازا۔

مولانا کے اسلوب میں رقت سامانی، حزن آفرینی اور عبرت زائی کے عناصر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی ہر تحریر میں شگفتگی، رعنائی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ موضوع جیسا بھی ہو وہ اپنے قلم کی جولانی، خیال کی رعنائی اور طرز ادا کی دل آویزی کو روکتے نہیں تھے۔ ان کی نثر کا ہر پہلو اپنے اندر بے پایاں دل کشی رکھتا ہے۔ بقول نظیری ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا ست

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ایک زندہ، متحرک، روشن ضمیر، چشم کشا، حقیقت شناس اور آفاق بیں عالم کی طرح اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ہمہ گیری، خودداری، خود اعتمادی، صاف گوئی، بے باکی، حق شناسی، اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے اٹوٹ محبت، وقت کی پابندی، مغربی تہذیب وتمدن اور لادینی وغیر اسلامی کلچر سے نفرت پوری طرح رچی بسی ہوئی تھی۔ ان خصوصیات کا اثر ان کے قلم صدق رقم سے جھلکتا ہی نہیں چھلکتا بھی تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشادِ خداوندی ہے : "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (سورہ مریم : ۹۶) یعنی : بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے خدائے رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے دل میں) محبت پیدا کر دے گا۔

مفسر دریابادیؒ کی حیات طیبہ مذکورہ آیت ربانی کی روشن تفسیر تھی۔ انہوں نے اپنی حیات مستعار کا ہر لمحہ اسلام کی حقانیت کے اثبات، اس کی سربلندی اور قرآن کریم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ رب ماجد نے بندہ ماجد کی اپنے دین کی خدمت قبول کی اور اُن کی یاد اپنے بندوں کے دلوں میں باقی رکھی۔ چناں چہ مفسر دریابادیؒ جیسی اسلامیان عالم کی پسندیدہ شخصیت کی وفات کے بعد ہی سے ان کے سوانح سے عام لوگوں کو واقف کرانے اور ان کے پیام اور افکار کی نشر و اشاعت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ بفضلہٖ آج بھی جاری ہے۔ مولانا کے سوانح کا اولین ماخذ ان کی خودنوشت سوانح "آپ بیتی" ہے۔ ان کے حالات و خدمات پر متعدد رسالوں، ماہ ناموں نے خصوصی شمارے شایع کیے، کئی کتابیں لکھی گئیں، مختلف یونی ورسٹیوں میں ان پر تحقیقی کام ہوا اور بہت سے اداروں نے ان پر سیمنار کرائے۔ بعد ازاں یہ مقالے شایع ہوئے۔ ان کے مطالعے سے ماجد شناسی میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اسی سلسلے کی تازہ کڑی زیر نظر کتاب ہے جو مولانا دریابادی کے برادر زادے اور خویش محترمی عبدالعلیم قدوائی صاحب کے قلم سے ہے۔ ۱۶۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مولانا دریابادی کے حالات اور خدمات بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔ محترمی قدوائی صاحب کی یہ تصنیف شَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا کے مصداق ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے پیام اور کام کی حفاظت و اشاعت کے لیے قائم ادارے صدق فاؤنڈیشن کے کارکنوں کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ وہ اس کتاب کو شایع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

خاتون منزل
۲۳ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ
۲۲ دسمبر ۲۰۰۸ء

ہیچ مداں
نعیم الرحمٰن صدیقی
جنرل سکریٹری، صدق فاؤنڈیشن، لکھنؤ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

عم مرحوم مولانا عبدالماجد دریابادی کا نام نامی علم وادب کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ ان کی شخصیت بڑی متنوع اور کثیر الجہت تھی۔ وہ بیک وقت عالم دین، مفسر قرآن، ادیب بے نظیر، صاحب طرز انشا پرداز، باکمال صحافی، اعلیٰ پایہ کے نقاد، مشاق مترجم اور کامیاب مصلح وفلسفی تھے۔ وہ سچے مسلمان اور محب وطن ہندوستانی تھے۔ ہندو مسلم اتحاد، مشرقی اقدار اور اردو کے پرستار تھے اور ان کے تحفظ وبقا کے لئے آخر دم تک کوشاں رہے۔ اگر چہ وہ کوئی خطیب، سیاسی لیڈر یا مقرر نہ تھے لیکن اپنے قلم کی طاقت سے انہوں نے علم وادب اور معاشرہ میں اپنے لئے ایک ممتاز اور منفرد جگہ بنالی۔ ان کے معاصرین میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں جیسے جید صحافی اور نامور لیڈر شامل تھے مگر انہوں نے اپنے مخصوص اسلوب، زبان پر حیرت انگیز عبور حاصل کیا۔ وہ بساط شبلی کے آخری حاشیہ نشین تھے جنہیں بقول شاہ معین الدین احمد ندوی ادب وانشا کی قلمرو کی حکمرانی نہیں بلکہ اس عہد کی صاحبقرانی ملی تھی۔ ان کی کامیاب زندگی انضباط وقت، توازن اور رواداری کا نتیجہ تھی جس پر وہ عمر بھر عمل پیرا رہے۔

مرحوم کی عظمت، ادبی خدمات اور حالات کے متعلق بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ سب سے مستند اور معتبر ان کی خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' ہے جو اپنی ادبی دلآویزی اور سلاست کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔ پھر ان کے ایک نادیدہ معتقد اور مخلص محب گرامی ڈاکٹر تحسین فراقی پروفیسر شعبہ اردو اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور نے بڑی دیدہ ریزی اور سلیقہ سے ایک قابل قدر تحقیقی مقالہ (مقالہ کیوں ساڑھے سات سو سے زائد صفحات کی ایک جامع کتاب) ''عبدالماجد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دریابادی - احوال و آثار" پیش کیا جس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی اور جس کے دو ایڈیشن پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں۔ البتہ ہندوستان میں یہ کتاب دستیاب نہیں ہے۔

چونکہ اس کم سواد کا تعلق مرحوم کے انتہائی قریبی عزیزوں میں سے ہے اور اسے مرحوم کو بہت نزدیک سے دیکھنے اور ایک لمبی مدت تک ان کی مشفقانہ تربیت و صحبت سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل ہے اور ان کے انتقال کے بعد اپنے محترم اور شفیق بڑے بھائیوں حکیم عبدالقوی مرحوم، حبیب احمد قدوائی اور ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی اطال اللہ عمرہ کی رہنمائی میں مرحوم کی کتابوں کے جدید ایڈیشنوں کی تدوین و اشاعت میں تھوڑی بہت خدمت کی توفیق ملی ہے اس لئے خیال پیدا ہوا کہ ان کی زندگی کے حالات اور ادبی خدمات کا ایک مختصر معروضی جائزہ پیش کیا جائے۔ اس تحریک کو مزید تقویت میرے بڑے لڑکے عزیزی ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی پروفیسر شعبہ انگریزی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی پُرزور تائید سے ملی۔ چنانچہ خاکسار نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں اس مردِ حق آگاہ کی حیات و خدمات کا خلاصہ پیش کیا ہے جس میں سب سے زیادہ مدد خود ان کی آپ بیتی اور ڈاکٹر فراقی صاحب کی محققانہ کتاب سے ملی جس کے لئے میں ان کا انتہائی ممنون ہوں۔ زیادہ تر واقعات ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں۔ اپنی والی کوشش یہی رکھی ہے کہ سادہ اور سلیس زبان میں واقعات و مسائل کو دیانت داری سے پیش کیا جائے اور ان کی کتابوں اور اخبارات کا مختصر تعارف کرایا جائے۔

پھر بھی زبان و بیان کی جو فروگزاشتیں اس میں رہ گئی ہیں اور کون بشری کوشش اس سے محفوظ رہنے کا دعویٰ کر سکتی ہے اس کے لئے خاکسار صدق دل سے معذرت خواہ ہے۔

ضمیمہ اول میں ان کتابوں کی موضوعاتی فہرست دی گئی ہے اور کتابوں کے ملنے کے پتے بھی دیئے گئے ہیں۔ ضمیمہ دوم میں ان کے ہفتہ وار اخبارات سچ، صدق اور صدق جدید کی ترتیب و مشمولات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ضمیمہ سوم میں مولانا مرحوم کی زندگی کے اہم حالات کا تاریخ وار تذکرہ کیا گیا ہے۔

امید ہے شائقین ادب اسے پسند فرمائیں گے۔

۲۲ر دسمبر ۲۰۰۸ء

عبدالعلیم قدوائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب اول

کتاب زندگی کے اوراق از پیدائش تا وفات

مولانا عبدالماجد دریابادی اودھ کے ایک معزز قدوائی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ شیخ معز الدین حکومت روم سے سلاطین دہلی کے زمانے میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے جہاں ان کے علم وفضل کی بنا پر دربار میں ان کی پذیرائی کی گئی اور 'قدوۃ العلم والدین' کا خطاب مرحمت ہوا۔ قدوۃ عربی میں اسوہ اور پیشوا کے معنوں میں آتا ہے۔ کچھ عرصہ دہلی میں قیام کے بعد غالباً سلطان شمس الدین التمش کے دور میں آپ کو اجودھیا کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ دہلی سے اجودھیا کے سفر کے دوران آپ کو کئی جگہ مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑا مثلاً رسولی، جگور وغیرہ مگر ہر جگہ فتح یاب رہے۔ ان کا مزار اجودھیا میں کئی سال پہلے تک موجود تھا۔ بابری مسجد کی المناک شہادت کے موقع پر اس کو بھی تباہ و برباد کیا گیا۔

قاضی صاحب نسباً اسرائیلی تھے۔ گو ایک ضعیف روایت سادات میں سے ہونے کی بھی مشہور ہے مگر اس کو مستند نہیں سمجھا گیا۔ آپ کا شجرہ نسب جریشون بن حضرت موسیٰؑ سے گزرتا ہوا حضرت لاوہ فرزند سوم حضرت یعقوبؑ تک پہنچتا ہے۔ البتہ لکھنؤ اور اس کے جوار کے شیوخ صدیقی، فاروقی، عثمانی و انصاری اور یہاں تک کہ سادات جنہیں اپنی اعلیٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسبی پر حد سے زیادہ فخر تھا نے خود بڑھ کر قدوائیوں سے شادی بیاہ کی قرابتیں قائم کیں اور ان کو اپنے میں ملالیا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ قدوائیوں میں عالم و فاضل، شائخ و درویش، اطباء و اعلیٰ سرکاری عہدے دار برابر پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ مسلم حکومت کے خاتمہ کے بعد دور انگریزی میں بھی ان کے علمی و منصبی امتیاز میں کوئی کمی نہیں آئی۔ خدا معلوم کتنے ادیب، شاعر، طبیب، ڈاکٹر، وکیل، جج، عالم، صحافی اور درویش اس خانوادہ میں پیدا ہوئے جنہوں نے ملک وملت کی شان میں اضافہ کیا۔

قاضی صاحب کی دس پشتوں کے بعد ایک بزرگ درویش شیخ مخدوم محمد آبکش (وفات ۱۴۷۲ء) پیدا ہوئے جو دریاباد سے متصل قصبہ محمود آباد سے اپنے مرشد کے حکم اتباع میں دریاباد آکر مقیم ہوئے۔ ان کا خاص مجاہدہ یہ تھا کہ کنوئیں سے پانی نکال کر لوگوں کو پلاتے اور نمازیوں کو وضو کراتے، اسی خدمت کی بنا پر ان کا لقب حضرت مخدوم آبکش دریابادی پڑ گیا۔ ان کا مزار مولانا عبدالماجد صاحب کے مکان واقع محلّہ مخدوم زادگان سے متصل ایک احاطہ میں واقع ہے اور اسی کے پہلو میں خود مولانا دریابادی کا مزار ہے۔ مولانا مرحوم نے اس سلسلہ میں ایک خط میں حضرت مولانا علی میاں کو یہ دلچسپ فقرہ لکھا ''.....صحیح معنوں میں مَیں حضرت مخدوم آبکش کے مزار کا مجاور ہوں''۔

مخدوم صاحب اور ان کی اولاد کو نامور مغل شہنشاہوں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے درباروں سے وقتاً فوقتاً جائدادیں اور محصول کی معافی کے پروانے جاری ہوتے رہے۔

مخدوم آبکش کی گیارہویں پشت میں مولوی مظہر کریم صاحب پیدا ہوئے جو مولانا عبدالماجد کے دادا تھے۔ یہ خود اور ان کے تین بھائی (ایک بڑے اور دو چھوٹے) علم و فضل، حسن اخلاق اور سخاوت کی بنا پر مرجع خلائق تھے۔ بڑے بھائی مولوی نور کریم صاحب مولاناؒ کے نانا اور ایک نامور طبیب تھے، جنہوں نے عصری علوم عربی و فارسی کی تحصیل علمائے فرنگی محل لکھنؤ سے کی اور فن طب مشہور اور کہنہ مشق طبیب حکیم محمد علی نبا صاحب سے حاصل کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع میں لکھنؤ میں مطب شروع کیا مگر پھر اسے چھوڑ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے چنانچہ وہ لکھنؤ کے علمی حلقہ میں ''طبیب گر'' کہلاتے تھے اور ان کے شاگرد بے شمار تھے۔ انہوں نے عربی و فارسی کی کچھ مستند کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کی رسائی اودھ کے شاہی دربار اور برطانوی رزیڈنٹ کے یہاں تھی مگر انہوں نے اس کا ذرا بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور عدالت کی ایک معمولی ملازمت ججمنٹ رائٹر پر قانع رہے۔ آپ ایک خدا ترس، وضع دار اور مخیّر انسان تھے، کوئی دن خالی نہ جاتا جب دستر خوان پر دو چار مہمان موجود نہ ہوں۔ آپ کا انتقال بروہ میں ہوا۔ آپ کے تین لڑکے اور کئی لڑکیاں تھیں۔

مولوی مظہر کریم مولانا دریابادی کے حقیقی دادا تھے۔ وہ ۱۸۲۹ء میں تلاش معاش میں شاہجہاں پور پہنچے اور وہاں عدالت میں سررشتہ دار فوجداری ہو گئے۔ ہنگامہ غدر میں ایک انگریز حاکم کو مولانا نے ترس کھا کر اپنے وطن میں ایک لکڑی کے بڑے بکسے میں چھپا کر رکھا تھا اور وہیں اس کو کھانا پانی پہنچاتے تھے۔ جب ذرا حالات قابو میں آئے تو وہ انگریزوں کے ہاں سے نکل کر انگریزی لشکر کی طرف چلا لیکن راستہ میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ انگریزی تسلط کے بعد مولانا پر یہ الزام لگا کہ انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد پر دستخط انکے بھی تھے چنانچہ کالے پانی (انڈمان) کی سزا ۹۱ سال کی سنائی گئی، وہاں ایک عربی کتاب ''مراصد الاطلاع'' کا ترجمہ کیا جس کے انعام میں سزا میں تخفیف کر دی گئی اور وہ وطن واپس آ گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ جزئیات فقہ کے حافظ تھے اور ہزاروں کی تعداد میں فتویٰ ان کے قلم سے نکلے۔ عقائد میں مسلک علماء بدایوں کے پیرو تھے، خاندان میں علم دین کے چرچے کے باوجود غالب رنگ خانقاہی و درگاہی تصوف کا تھا۔

والدین

مولانا عبدالماجد کے والد مولوی عبدالقادر ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ دینی تعلیم فرنگی محل کے ایک شیخ طریقت مولوی محمد نعیم سے حاصل کی۔

پڑھنے لکھنے کے شائق تھے چنانچہ مذہبی اور معلوماتی کتابوں کے مطالعہ کا شوق آخر عمر تک رہا۔ اودھ اخبار لکھنؤ، مشرق اور سہ روزہ ریاض الاخبار گورکھپور میں مختلف مذہبی، معاشرتی اور نیم مذہبی عنوانات پر برابر مضمون لکھتے رہے۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت سیکھ لی تھی، وکالت کا امتحان بھی پاس کیا مگر کام اس سند سے نہ لیا۔ ملازمت کا آغاز ہردوئی میں فارسی کی مدرّسی سے ہوا۔ وہاں کسی انگریز حاکم کو انہوں نے نجی طور پر فارسی پڑھائی جس نے خوش ہوکر ان کو عدالت فوجداری کی سررشتہ داری دلادی، پھر اپنی دیانت جفاکشی اور فرض شناسی کی بنا پر ترقی کر کے تحصیلدار اور پھر ڈپٹی کلکٹری کے معزز عہدے پر پہنچ گئے جو اس وقت ہندوستانیوں کے لئے خصوصی اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ان کی ملازمت سندیلہ، بلگرام، گورکھپور، لکھیم پور، سیتاپور میں رہی اور ہر جگہ مقبول انام اور ہر دل عزیز رہے۔

مذہبی عقائد میں راسخ تھے مگر تعصب کسی سے نہ رکھتے تھے اور سب سے میل جول رکھتے۔ اپنی دیانت، انسانیت اور خدمت خلق کی خوبیوں کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی ان کی بڑی عزت واحترام کرتے تھے۔ نیکی اور خدا ترسی مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی چنانچہ بہنوں کی مدد اپنی جیب سے کرتے، خاص کر یتیموں، بیواؤں اور اپنے عزیزوں کی۔ دوسروں کے کام کرنے میں مستعد رہتے، نماز روزہ اور تلاوت قرآن کے پابند تھے اور اپنے لڑکوں کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام رکھتے۔ مزاروں کے معتقد تھے مگر زیادہ بدعات سے دامن بچائے رکھتے۔ سیتاپور سے ریٹائر ہوئے اور کچھ عرصہ تک وہاں کے میونسپل بورڈ کے سکریٹری بھی رہے۔ اس کے بعد اپنے ایک عزیز چودھری شفیق الزماں صاحب تعلقدار گڑھی بہلول کے علاقہ کے منیجر ہوگئے۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں اپنی اہلیہ، صاحبزادی اور بھتیجے کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئے، یہ زمانہ مولانا عبدالماجد کے عین الحاد کا تھا۔ چنانچہ آپ بیتی میں اس کے متعلق لکھتے ہیں ''میں پہنچا نے بمبئی تک گیا، رخصتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وقت والد مرحوم کی آنکھوں سے آنسو زار و قطار جاری تھے بالکل خلاف معمول اور آہ کہ عالم آب و گل میں یہ ان سے آخری رخصتی تھی۔ میں شقی القلب اور نادان ان کی اس رقت قلب اور فطری بارش مہر کو حیرت سے دیکھتا اور بے محل سمجھتا رہا''۔ آمدنی خاصی تھی جس کی وجہ سے زندگی خاصی رئیسانہ حیثیت سے گذری، دعوتیں اکثر کیا کرتے۔ گھوڑا گاڑی، گائے بھینس اور زنانہ و مردانہ میں متعدد ملازم تھے۔ چھٹیوں میں اکثر وطن آیا کرتے اور اعزہ و اقارب اور قصبہ کے لوگوں سے حسن سلوک کرتے جس کی وجہ سے بڑے ہر دلعزیز تھے۔

فرائض حج کے معاً بعد منیٰ میں ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۴ر نومبر ۱۹۱۲ء ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور مکہ معظمہ لائے گئے جہاں ۱۴ر ذی الحجہ کو رب کعبہ کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ حج مبرور اسی کو کہتے ہیں کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد معصیت میں مبتلا ہونے کی مہلت نہ ملی۔ تدفین جنت المعلیٰ میں ہوئی۔ مشہور شاعر حضرت اکبر الہ آبادی نے ان کے انتقال پر یہ قطعہ تعزیت ارشاد فرمایا۔

پیشوائے قوم والا مرتبت	شیخ عبدالقادر والا صفات
آخرت پر ہی نظر رکھتے تھے وہ	سمجھتے تھے دنیائے دوں کو بے ثبات
جاہ و منصب میں وہ گو ممتاز تھے	کرتے تھے یاد خدا دن ہو کہ رات
ان کے ذکر و شغل کا تھا یہ اثر	''شغل'' ہی سے نکلی تاریخ وفات
	۱۳۳۰ھ

ان کے انتقال پر اخباروں میں تعزیتی مضامین نکلے۔ خود مولانا کا مضمون مشرق گورکھپور میں نکلا جس کی داد مولانا شبلی نے لکھ کر بھیجی۔

مولوی عبدالقادر صاحب کی شادی اپنے بڑے چچا مولوی نور کریم صاحب کی صاحبزادی نصیر النساء سے ہوئی۔ ان کے بارے میں مولانا نے آپ بیتی میں لکھا ہے ''ان کو میں نے جب دیکھا تہجد گزار دیکھا، قرآن مجید ناظرہ پڑھی ہوئی تھیں، تلاوت کسی حال میں ناغہ نہ ہوتی تھی۔ اٹک اٹک کر ایک ایک لفظ آخر عمر تک پڑھتی تھیں۔ اردو کی صرف حرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شناس تھیں۔ نانا صاحب کے یہاں تنگ دستی تھی اس لئے ان کے بچپن کا زمانہ تنگی وترشی میں گزرا۔ شادی کے بعد سے مالی حالت بہتر ہوگئی اور آگے چل کر خاصی خوشحالی سے گزرنے لگی۔ مزاج کی نیک، ہمدرد، غریب پرور اور بڑی فیاض تھیں۔ عزیزوں، پڑوسیوں کا خاص خیال رکھتیں۔ عفت وحیاداری کے ماحول میں ساری زندگی گزاری۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنا بغیر ڈولی میانے کے ناممکن تھا، شوق عبادت میں اپنی نظیر آپ تھیں۔ اشراق، چاشت، تہجد اور نفلی نمازوں کا خاص التزام رکھتیں، نماز کے ساتھ اذان سے بھی عشق تھا، جو عورتیں ملنے آتیں ان پر تبلیغ نماز کی کرتیں۔ نماز واذان کے بعد نمبر روزہ کا تھا۔ عمر اسّی سے بڑھ کر پچاسی ہوگئی مگر فرض روزہ تو خیر کیا چھوٹتا، عاشورہ، محرم، عرفہ ذی الحجہ اور ۱۵ر شعبان کے روزے تک بھی کبھی ترک نہ ہوتے۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں ایک مختصر سی علالت کے بعد اپنے بڑے لڑکے مولوی عبدالمجید ڈپٹی کلکٹر فیض آباد کے مکان پر ۸۷-۸۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں اور تدفین وطن دریاباد میں ہوئی۔ ان کی وفات پر مولانا نے ایک مؤثر تعزیتی مضمون ''ماں کے قدموں پر'' لکھا جو واقعیت اور تاثیر کا بڑا اچھا نمونہ ہے۔ مولانا عبدالماجد کی تعلیم وتربیت اور ان کی اخلاقی وعلمی نشوونما میں ان کے والدین کا بڑا حصہ تھا۔

بھائی بہن

مولانا کے ایک بھائی مولوی عبدالمجید اور ایک بہن سکینہ خاتون تھیں، یہ دونوں ان سے عمر میں بڑے تھے۔

بھائی مولوی عبدالمجید صاحب مولانا سے آٹھ سال بڑے تھے۔ طبعاً نیک، سادہ مزاج تھے انہوں نے تعلیم حسب دستور اردو و فارسی وعربی گھر پر ہی حاصل کی مگر بچپن سے ضیق النفس کا موذی روگ لگ جانے کی وجہ سے انٹرمیڈیٹ (ایف اے) تک تعلیم جاری رکھ سکے، اس کے بعد سرکاری ملازمت کی اور اپنی حسن کارکردگی کی بنا پر ڈپٹی کلکٹری کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدے تک پہنچ گئے اور لکھنؤ سے بحیثیت ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک لکھنؤ میں ایریا راشننگ افسر بھی رہے۔ خوش اخلاقی اور فیض رسانی کی وجہ سے ہر جگہ مقبول رہے۔ نماز و تلاوت کے پابند تھے۔ پنشن پانے کے بعد مختلف ملّی اداروں بیت العلماء، انجمن اصلاح المسلمین اور تعلیم گاہ نسواں وغیرہ کے رکن انتظامی رہے۔ کتب بینی اور اخباروں کے مطالعہ کا بہت شوق رکھتے تھے۔ ملنے والوں میں سنّی شیعہ علماء، وکلاء، سرکاری عہدہ دار، صحافی اور غیر مسلم حضرات شامل تھے۔ مزاج میں وضع داری اور مروت تھی۔ مولانا سے بڑی محبت کرتے تھے اور دونوں بھائیوں کی مثالی محبت خاندان میں مشہور تھی۔ اتنے لمبے عرصہ میں شاید ہی کبھی شکر رنجی کی نوبت آئی ہو اور وہ بھی وقتی طور سے۔ حسن اتفاق سے ان کے چاروں بیٹوں کی شادیاں مولانا کی چاروں بیٹیوں سے بڑی سادگی سے ہوئی۔ تھوڑی بہت جائداد اور آبائی مکان بھی مشترک تھے مگر کسی معاملہ میں بھی کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت ملازمت وغیرہ کے جملہ مسائل میں وہ مولانا کی مرضی اور صلاح پر عمل کرتے تھے، چنانچہ اپنے بڑے لڑکے عبدالقوی عرف آفتاب کو انہی کے مشورہ سے حفظ قرآن کرایا اور طب یونانی کی تعلیم دلوائی۔ ان کی بیوی بھی قریب ہی کی عزیزہ تھیں جن کا سابقہ بھی ان کی نیکی سلاست روی کی وجہ سے بہت اچھا رہا اور گھریلو سکون قائم رہا۔ دسمبر ۱۹۶۰ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا، نماز جنازہ خود مولانا نے پڑھائی اور تدفین قبرستان عیش باغ میں ہوئی۔ ان کے انتقال پر ''ناز بردار بھائی'' کے عنوان سے مولانا نے بڑا موثر تعزیتی مضمون لکھا جو صدق جدید میں شائع ہوا اور تعزیتی مضامین کے مجموعہ 'وفیات ماجدی' میں بھی شامل ہے۔

بہن سکینہ خاتون مولانا سے ۵-۶ سال بڑی تھیں۔ بڑی نیک سیرت اور اچھی صورت شکل خاتون تھیں۔ بچپن ہی سے مذہبی کتابوں اور عبادت سے شغف تھا۔ اپنے والد کے ساتھ حج سے بھی مشرف ہو آئیں۔ شادی چچازاد بھائی ڈاکٹر محمد سلیم سے ہوئی، اولاد کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھی، ۳۶ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ رہیں۔ نماز روزہ زکوٰۃ کی پابند تھیں اور آس پڑوس کی عورتوں اور عزیزوں کو پابندی سے خط لکھتی تھیں اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک رہتی تھیں۔ ۱۹۴۵ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا اور ان کو قبر میں اتارنے والوں میں سے ایک مولانا خود بھی تھے۔ چنانچہ ''ہمشیرہ کی رخصتی'' کے عنوان سے بڑا مؤثر اور جذباتی مضمون لکھا جو صدق میں شائع ہوا اور ان کے مجموعہ وفیات ماجدی میں شامل ہے۔

بڑے بھائی کی بیوی صغیر النساء ان کی تقریباً ہم سن تھیں اور بہت قریب کی عزیز تھیں۔ سابقہ میں اس سے مولانا کے تعلقات بڑے خوشگوار اور شگفتہ رہے اور کبھی کسی قسم کی بے لطفی یا شکر رنجی نہیں ہوئی۔

دوسرے عزیز و اقارب

مولانا کا خاندان بڑا تھا، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھیاں، چچیاں، ممانیاں، بہنیں، بھاوجیں متعدد تھیں۔ لیکن والدین کی صلح کلی کی وجہ سے سب سے اچھے تعلقات تھے، اور مولانا اپنے بچپن میں سب کے دلارے تھے۔

چچازاد بھائی دو تھے جو عملاً حقیقی بھائی ہی تھے۔ بڑے کا نام عبدالحلیم تھا اور تخلص اثر کرتے تھے، صاحب استعداد تھے انگریزی اور اردو اخباروں کتابوں کا خوب مطالعہ اور شعر وادب کے بھی رسیا تھے۔ انہوں نے مولانا کو شروع سے لکھنے پڑھنے میں لگا دیا اور ہر قسم کی ہمت افزائی کی جس کے لئے وہ ان کے خاص طور پر ممنون تھے۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں ان کا خاص حصہ رہا۔ اور لکھنے پڑھنے کا شوق ان کی وجہ سے پیدا ہوا۔ شادی خاندان ہی میں ہوئی تھی۔ جوان ہی تھے کہ دفعتاً طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔

دوسرے چچازاد بھائی محمد سلیم مولانا کے بہنوئی بھی تھے، مگر یگانگت اور محبت کی بنا پر حقیقی بھائی ہی تھے اپنے چچا مولانا کے والد کے ساتھ حج کو بھی گئے تھے ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی اولاد نہ تھی جو کچھ وہ کماتے اپنے بھائیوں اور ان کی اولاد پر خرچ کر دیتے۔ ۴۰-۴۹ سال کے سن میں دق میں مبتلا ہو کر عازم آخرت ہو گئے۔ خالہ زاد بھائیوں میں حکیم عبدالحسیب دریابادی کا تعلقات کے لحاظ سے نمبر اول تھا۔ مولانا سے سن میں ۱۳-۱۴ سال بڑے تھے۔ بحیثیت طبیب بڑی ناموری حاصل کی۔ مولانا سے بڑے بے تکلف تھے اور ان کی پسند کی کتابیں، اخبار وغیرہ بڑی خوشی سے منگا دیتے۔ لکھنؤ کے مشہور طبیب تھے اور بورڈ آف میڈیسن کے ممبر اور طبیہ کانفرنس یوپی کے صدر۔ حکومت نے ان کو شفاء الملک کے خطاب دیا تھا جو انہوں نے واپس کر دیا۔ ان کی بیوی بھی مولانا کی قریبی رشتہ کی بہن تھیں۔ دوسرے خالہ زاد بھائی شیخ نعیم الزماں سندیلوی تھے جو ضابطہ سے تو زیادہ پڑھے نہ تھے مگر اپنی ذہانت اور شوق مطالعہ سے بہت کڑھ گئے تھے۔ جغرافیہ تاریخ اور تصوف میں خاصا دخل رکھتے تھے۔ ان ہی کی بہن نے لکھنؤ میں ایک وسیع مکان خریدا اور اصرار سے مولانا اور ان کے برادر بزرگ کو بلا کر اپنے ساتھ رکھا۔ مولانا نے اس کا نام خاتون منزل رکھا اور یہ مولانا کی لکھنؤ کی قیام گاہ آخر تک رہی۔

مشہور سیاسی لیڈر چودھری خلیق الزماں صاحب بھی مولانا کے رشتہ میں ماموں زاد بھائی ہوتے تھے مگر خصوصی تعلقات اور اخلاص کی بنا پر دونوں میں گہرے تعلقات آخر تک رہے۔ لکھنؤ کے علاوہ سندیلہ، بانسہ، گدیہ، حیدرآباد، رامپور اور تقسیم کے بعد پاکستان میں مولانا کے متعدد اعزہ و اقربا تھے جن سے ملاقات و مراسلت ہوتی رہتی تھی۔ سادات، شیوخ، صدیقی، عثمانی اور انصاری خاندانوں سے بکثرت قرابتیں تھیں۔

پیدائش

قصبہ دریاباد، ضلع بارہ بنکی میں ۱۶/ مارچ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۶/ شعبان ۱۳۰۹ھ مولانا عبدالماجد کی پیدائش ہوئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی میں لکھنؤ، فیض آباد ریلوے لائن پر واقع ہے، اس کے حل وقوع قدامت اور اہمیت کے بارے میں خود مولانا دریابادی نے یہ لکھا ہے" .... لکھنؤ سے پورب کی جانب فیض آباد کو ریل سے چلئے جو خود اودھ کا دارالحکومت رہ چکا ہے تو آدھو آدھ راستہ پر ایک اسٹیشن ملے گا دریاباد۔ اسٹیشن سے ڈیڑھ میل دور شمال میں چلئے تو اصل قصبہ میں پہنچ جایئے۔ قصبہ کی بنیاد آج سے کوئی ساڑھے پانچ سال قبل شاہاں شرقیہ جونپور کے زمانے میں پڑی اس وقت ان اطراف کے حاکم کوئی صاحب دریا خاں نامی تھے وہی میرے خاندان کے مورث اعلیٰ شاہ مخدوم آبکش کو پڑوس کے قصبہ محمود آباد سے لے آئے اور اپنے نام پر اس قصبہ کو آباد کیا۔ انگریزی عمل داری کے شروع میں خود ضلع تھا اور اس سے پہلے اودھ کی سلطنت میں یہاں چکلہ دار (کلکٹر) رہتا تھا مگر اب مدت سے ضلع کیا تحصیل بلکہ تھانہ تک بھی نہیں۔ معمولی قصبہ ہے اب حال میں پھر کچھ ترقی کرنے لگا ہے۔ اسپتال ہے ڈاکخانہ ہے تار گھر ہے بلاک ہے، حال ہی میں ٹیلی فون بھی آ گیا ہے اور بجلی کی روشنی بھی، ایک مڈل اسکول بھی ہے، جوتے کی صنعت پائی جاتی ہے یہاں کے پیڑے، برفی اور ربڑی مشہور ہے۔ آبادی سات آٹھ ہزار کے درمیان ہے آدھی مسلمان آدھی ہندو۔

اب قصبہ نے مزید ترقی وخوشحالی حاصل کر لی ہے سڑکیں پختہ ہیں ایک ڈگری کالج، ایک لڑکیوں کا اسکول، ایک مدرسہ ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام جہاں حفظ قرآن کا خصوصی انتظام ہے، مولانا کے مکان میں چل رہا ہے۔ مولانا ۱۹۲۱ء میں لکھنؤ چھوڑ کر یہاں مستقل طور پر منتقل ہو گئے اور ان کی وجہ سے دریاباد کا نام ساری دنیا میں مشہور ہو گیا۔ خود انھوں نے دریابادی اپنے نام کا جزو لاینفک بنا دیا تھا۔ اردو کے ممتاز ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنے تعزیتی خط میں لکھا" .... دریاباد تاریخی اعتبار سے جو کچھ بھی ہو اب مرحوم ہی کے نام پر وابستہ ہو گیا ہے اور یہ امتیاز اس صدی میں ہمارے دیار کے کسی اور حصے میں شاید ہی آیا ہو"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچپن اور تعلیم

مولانا کا بچپن خوشحالی میں گزرا۔ چار سال کے تھے کہ بسم اللہ کرادی گئی، چنانچہ اپنے قلم سے اس کی دلچسپ روداد انہوں نے اس طرح بیان کی ہے، ''عمر ابھی چار سال کی اور سال ۱۸۶۵ء تھا کہ بسم اللہ کرنا طے پا گئی۔ والد مرحوم لکھیم پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ایک سہ پہر کو محفل آراستہ ہوئی اور وطن کے ایک خوش صفات عالم جو بھائی صاحب کی اتالیقی پر مامور تھے وہ زنانہ مکان کے صحن میں بسم اللہ کرانے بیٹھے۔ مٹھائی کے خوان سامنے رکھے ہوئے اور عزیزوں، نوکروں چاکروں کا گروہ حلقہ جمائے ہوئے۔ مولوی صاحب بیچارے نے پیار و شفقت کے لہجے میں کہا کہ کہو بسم اللہ۔ یہاں جواب میں قطعی خاموشی اب اور لوگ بھی ان کے شریک کار ہوئے لیکن اس ضدی لڑکے کی زبان پر بدستور قفل لگا ہوا تھا۔ والد مرحوم کو آخر غصہ آیا اور کب تک نہ آتا سمجھانے بجھانے چمکارنے کی حد ہو چکی تھی۔ چھڑی ہاتھ میں لے انہوں نے جمانا شروع کی، لوگوں نے ہاں ہاں کر کے کسی طرح جان بچائی۔ آخر جو میری کھلائی تھیں ان بے چاری نے کہا کہ واہ میرے بھیّا کو کیا بسم اللہ کہنا نہیں آتا۔ میں نے کہا آتا کیوں نہیں، بس میں ان کے ساتھ جا مولوی صاحب کو باہر ہی سے چلّا کر انہیں سنا آیا۔ اداسی خوشی سے بدلی، چہروں پر ہنسی آئی، اسی کو کہتے ہیں

ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سر نوشت کو

گھر پر قرآن مجید، ناظرہ، اردو، فارسی کی مروجہ تعلیم پائی اور تھوڑی عربی بھی۔ انگریزی حروف شناسی اپنے بڑے بھائی کے انگریزی کے غیر مسلم استاد سے سیکھی۔ بچپن لکھیم پور کھیری، گورکھپور اور فیض آباد میں گزرا اور کئی استادوں سے تعلیم حاصل کی۔ ریل اور اسٹیمر کا سفر پہلی مرتبہ کیا، تھیٹر اور میوزیم بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ۱۸۹۹ء میں والد کا تبادلہ سیتا پور ہو گیا اور دسویں تک کی تعلیم وہیں کے ہائی اسکول میں پائی۔ عربی کے استادوں میں لکھنؤ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ایک فاضل شیعہ حکیم محمد ذکی اور پھر اس کے بعد مولوی عظمت اللہ فرنگی محلی رہے۔ مولانا نے ان استادوں سے جو فیض حاصل کیا اس کا کھل کر اعتراف کیا اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر گھمنڈی لال اور کچھ اور استادوں کو ہمیشہ عزت اور تشکر کے ساتھ یاد کیا۔ حساب میں شروع سے کمزور تھے، میٹرک کے امتحان سے قبل ہیڈ ماسٹر صاحب نے ان کے ایک لائق غیر مسلم ہم جماعت کو مامور کیا کہ وہ ان کی مدد کیا کریں چنانچہ میٹرک کا امتحان دوسرے درجے میں پاس کرلیا۔ اس زمانے میں ان کو ہر چیز پڑھنے کا شغف جنوں کی حد تک پہنچ گیا تھا چنانچہ ہر قسم کی کتاب، رسالہ، اشتہار بلکہ ہر چھپی چیز کو بغیر پڑھے نہ چھوڑتے۔ اس شوق مطالعہ میں بڑا دخل ان کے چچازاد بھائی عبدالحلیم اثر کا تھا جو ان کی ہر طرح ہمت افزائی کرتے تھے۔ سیتا پور میں قیام راجہ صاحب محمود آباد کی آرام دہ کوٹھی میں رہا۔ وہاں مولانا کے بھائی صاحب ٹینس کھیلتے تھے مگر خود مولانا کو فٹ بال سے دلچسپی تھی۔ محمود آباد یوپی کی سب سے بڑی مسلم ریاست تھی اس وقت کے راجہ اور بعد میں مہاراجہ علی محمد خاں سے مولانا کے والد مرحوم سے خاصے تعلقات تھے۔ بعد میں خود مولانا سے ان کے اور عزیزانہ تعلقات ہوگئے۔ مولانا ان کا شمار اپنے محسنین میں کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے انتقال پر ایک پُر اثر مضمون ''علی محمد خاں'' کے نام سے لکھا جو وفیات ماجدی میں شامل ہے۔

آگے تعلیم کے لئے انہوں نے کیننگ کالج میں داخلہ لیا جو اس زمانے میں الہ آباد یونیورسٹی کے ماتحت تھا، ایف اے میں انہوں نے منطق، تاریخ اور عربی کے مضامین لئے، انگریزی تو لازمی تھی ہی۔ اس زمانے میں انہوں نے انگریزی کتابیں مختلف موضوعات پر بہت سی پڑھیں اور لکھنؤ کی لائبریریوں سے پورا استفادہ کیا، انہوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان دوسرے درجہ میں پاس کیا اور ۱۹۱۰ء میں بی۔ اے۔ کے سال اول میں داخلہ لیا یہاں ان کے مضامین انگریزی کے علاوہ فلسفہ اور عربی تھے۔ اس زمانے میں ان کو فلسفہ و نفسیات سے خاص دلچسپی تھی۔ کیننگ کالج کے زمانے طالب علمی میں مولانا کے خصوصی تعلقات محمد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حفیظ سید جو بعد میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے اور مولوی عبدالباری ندوی جو بعد میں جامعہ عثمانیہ چلے گئے تھے سے رہے۔ چنانچہ مولوی عبدالباری ندوی نے ان کا عربی کورس مکمل کرایا اور انہوں نے مولوی عبدالباری صاحب کو انگریزی کی تعلیم میں مدد دی۔ کالج سے باہر جن بزرگوں اور کرم فرماؤں سے تعلقات پیدا ہوئے اور بڑھے ان میں مولانا نے اپنی آپ بیتی میں اکبر الٰہ آبادی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شبلی، سید سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد، عبدالحلیم شرر، مرزا محمد رسوا، پنڈت بشن نرائن اور راجہ (بعد میں مہاراجہ ہو گئے تھے) محمود آباد کے نام شکریے کے ساتھ لکھے ہیں۔ کیننگ کالج سے بی اے کرنے کے بعد جس کا امتحان الٰہ آباد میں ہوا تھا انہوں نے فلسفہ میں ایم اے کی تعلیم کے لئے پہلے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ (جو بعد میں مسلم یونیورسٹی بن گیا) رخ کیا مگر وہ پہلے سال میں اچھے استاد اور نصابی کتابوں کے نہ ملنے کی وجہ سے ناکامیاب رہے۔ اس کے بعد وہ سینٹ اسٹیفن کالج دہلی میں داخل ہوئے جہاں ان کی ملاقات مشہور علم دوست اور اردو نواز پادری سی ایف انڈریوز سے ہوئی۔ عین اسی زمانے نومبر ۱۹۱۲ء میں ان کے والد کا مکہ معظمہ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد انتقال ہو گیا اور اس سے بڑھ کر افسوسناک واقعہ یہ ہوا کہ پیوپلز بینک جس میں ان کی پس انداز کی ہوئی رقم جمع تھی ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے ان کو تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور وہ لکھنؤ واپس چلے گئے، اور اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اسکولی دور سے انہوں نے مضمون نگاری شروع کی چنانچہ آریہ سماجیوں کے خلاف، محمود غزنوی اور غذائے انسانی پر ان کے مضمون روزنامہ وکیل امرتسر میں شائع ہوئے جب ان کی عمر نو دس سال کی تھی۔ ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں میں اپنے والد کے ساتھ جاتے تھے اور وہاں ان کی ملاقات مولانا شبلی اور سید سلیمان ندوی سے ہوئی۔

تعلیم چھوڑنے کے بعد انہیں لندن کی دو ممتاز انگریزی انجمنوں کی اعزازی ممبری حاصل ہو گئی۔ ایک تو رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن اور دوسری حکیم ارسطو سے منسوب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Aristotalian Society تھی جس کی ممبری ان کو ان کی انگریزی کتاب The Psychology of Leadership کی اشاعت پر دی گئی۔

تشکیک والحاد

یہ ۹-۱۰ سال کا دور مولانا کی نوجوانی کا ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ الحاد وتشکیک کے اس دور کے بعد اللہ کے فضل سے مذہب کی طرف واپسی ہوئی۔ اس لئے اس کا مفصل ذکر ضروری ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسکول کے زمانۂ طالب علمی ہی سے مولانا نے مضمون نگاری شروع کردی چونکہ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت مشرقی و مذہبی خطوط پر ہوئی تھی اور مطالعہ میں زیادہ تر دینی کتابیں رہی تھیں اس لئے وہ آریوں، مسیحیوں اور نیچریوں کے خلاف مناظراتی مضمون لکھا کرتے تھے۔ کالج میں آنے کے بعد بے قید انگریزی کتب کے مطالعہ، عقل پرستوں اور آزادی فکر کے پرستاروں کی صحبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے ذہن میں الحاد وتشکیک کے جذبات پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ ایف اے کے امتحان کے فارم میں مذہب کے خانے میں ریشنلسٹ (عقلیت پسند) لکھ دیا۔

اس زمانے میں مستشرقین کے علم وفضل سے ہندوستانی تعلیم یافتہ افراد بہت مرعوب تھے۔ ان حضرات کا خاص کارنامہ یہ تھا کہ اخلاق و مذہب خصوصاً اسلام پر بڑی ہوشیاری سے اطراف وجوانب پر حملہ ظاہری ہمدردی اور تحسین وتوصیف کے لبادہ میں لپیٹ کر کرتے تھے جس سے پڑھنے والوں کے دل میں تذبذب وشک پیدا ہوجائے اور مذہب واخلاق کے بتائے ہوئے ضابطہ زندگی کے خلاف بغاوت وسرکشی کے جذبات پیدا ہونے لگیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ لکھنؤ آنے کے کچھ عرصہ بعد ایک کٹر ملحد ڈاکٹر ڈرلسیڈیل کی کتاب Elements of Social Science پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں اپنی آپ بیتی میں خود لکھتے ہیں: ''کتاب کیا تھی ایک بارود بچھی سرنگ تھی، حملہ کا اصل ہدف بنیادی اخلاقی و مذہبی عقائد تھے، مثلاً عفت و عصمت، بلا روک ٹوک جنسی آزادی، انداز بیان بلا کا زوردار اور خطیبانہ تھا۔ سولہ سال کا ایک طفل ناداں اس سیلاب عظیم میں اپنے ایمان و اخلاق کی ننھی منی کشتی کیسے صحیح و سالم رکھ پاتا''۔ اس کے بعد اسی زمانے میں ایک لائبریری سے مشہور ادیب سر رچرڈ گارنٹ کی مرتبہ کتاب International Library of Famous Literatures نظر سے گزری، ایک جلد میں قرآن و اسلام کا ذکر تھا اور ایک پورے صفحہ کا فوٹو بانی اسلام کا بھی شامل تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ تصویر بالکل جعلی اور فرضی تھی، مگر اس نے ان کے ذہن میں شک و الحاد کے جذبات کو تقویت پہنچائی، چنانچہ ''آپ بیتی'' کے علاوہ صدق جدید کے ایک مضمون ''زہر کے بیج'' میں اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''.....تصویر کے اصل ہونے میں کوئی شک و شبہہ بھی نہ گزرا۔ چہرہ پر کوئی نورانیت اور بزرگی تو خیر کیا ہوتی وہ نرمی، لینت اور اشراقیت بھی موجود نہ تھی جو کسی مرتاض بزرگ و درویش میں ہوتی ہے۔ سج دھج قدیم عرب سرداروں کی ہتھیار جسم پر ساتویں صدی عیسوی کے اور چشم ابرو کے اشارے سے سب ایک مسلمان کے لئے جو شروع سے عادی رحمۃ للعالمین کے تخیل کا ہو اور آپ کو خیر البشر مانتا ہو، نہایت ناخوشگوار اور صدمہ پہنچانے والے۔ لیجئے برسوں کی محنت اور تیاری کا قلعہ بات کی بات میں ڈھ گیا۔ ذات رسالت سے اعتقاد بحیثیت رسول گیا معنی ایک بزرگ یا اعلیٰ انسان کے بھی دیکھتے دیکھتے دل سے مٹ گیا۔ نماز اب بھلا کہاں باقی رہ سکتی تھی۔ وضو، تلاوت، وروزہ وغیرہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا۔ مذہبی مطالعہ اس وقت بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ ایسا کم نہ تھا، لیکن فرنگی الحاد کے جس سیلاب عظیم سے ٹکراؤ تھا اس سے مقابلہ کے لئے وہ مطالعہ ہرگز کافی نہ تھا"۔

ان کتابوں کے مطالعہ اور کالج کے آزاد ماحول کا ایک بڑا اثر یہ بھی ہوا کہ اخلاقی بندشیں ڈھیلی پڑنے لگیں اس کے بارے میں مولانا نے بڑی صفائی سے اپنے حالات اس طرح بیان کئے ہیں:

"ہائی اسکول پاس کر کے جب لکھنؤ میں مستقل قیام ہوا تو یہاں آزادی ہر قسم کی حاصل تھی اور دین و مذہب کا خوف ہی بالکل دل سے مٹ چکا تھا، جو کچھ نہ کر گزرتا تھوڑا تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ان سارے حالات کے باوجود شاید شرافت و وقار خاندانی کے ماتحت سیہ کاری کی نوبت گنتی کے دو ایک بار سے زائد نہ آئی اور یہ سب صرف اس دور الحاد و بے دینی میں جو ۱۷ سال کی عمر سے ۲۷ سال کی عمر تک رہا۔ لغزش جب کبھی بھی ہوئی فرنگیوں کا پڑھایا ہوا وہی کم بخت فلسفہ یاد رہ کہ یہ چیزیں تو صحت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں"۔

مولانا نے کالج میں مضمون اختیاری فلسفہ بھی لیا تھا اس زمانے میں نفسیات Psychology بھی فلسفہ ہی کا ایک حصہ تھی چنانچہ انہوں نے انفرادی و اجتماعی نفسیات کا بھی خوب مطالعہ کیا اور اس زمانے کے مشہور فلسفیوں مل ہیوم، اسپنسر، بریڈلا اور انگرسول وغیرہ سے بہت متاثر و مرعوب ہوئے انہی دنوں ایک فرنگی ماہر فن ڈاکٹر ماؤسلے کی دو مشہور کتابیں The Pathology of Mind اور The Physiology of Mind انہوں نے پڑھیں جن کا بظاہر مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اسلام اور ایمان سے برگشتہ کرنے میں مؤثر ثابت ہوئیں۔ چنانچہ وہ اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''.....اختلال دماغی اور امراض نفسیاتی کو بیان کرتے ہوئے یک بیک وہ بد بخت مثال میں وحی محمدی کو لے آیا اور اس مبارک ہستی کے نام کی صراحت کے ساتھ ظالم لکھ گیا کہ مصروع شخص کے لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اپنا کوئی بڑا کارنامہ دنیا کے لئے چھوڑ جائے، ایمان کی بنیادیں کھوکھلی تو پہلے ہی ہو چکی تھیں اب ان کم بخت ماہرین فن کی زبان سے اس قسم کی تحقیقات عالیہ سن کر رہا سہا ایمان بھی رخصت ہو گیا اور الحاد و ارتداد کی منزل تکمیل کو پہنچ گئی۔ رفتہ رفتہ اب اسلام کے نام سے بھی شرم آنے لگی اور انٹرمیڈیٹ کے سالانہ امتحان کا جب وقت آیا تو فارم کے خانہ مذہب میں بجائے مسلم کے درج صرف ریشنلسٹ کیا اور اپنے کو کھلم کھلا ریشنلسٹ (عقلیت پسند) اور اگناسٹک (لا ادری) کہنے لگا۔ غنیمت ہوا کہ سوشل حیثیت سے مسلمان اس وقت بھی رہا یعنی مسلمانوں سے وہی میل جول وہی مسلم برادری، وہی مسلم معاشرت''۔

تشکیک والحاد کی یہ کیفیت کم وبیش دس سال تک قائم رہی اس زمانے میں انہوں نے شبلی کی تصنیف ''الکلام'' پر مفصل تنقید لکھی جس میں عقائد اسلامی، نبوت اور ضرورت مذہب وغیرہ پر اعتراضات تھے۔ یہ مضمون رسالہ الناظر لکھنؤ میں شائع ہوا جس کے مدیر مولانا شبلی کے معاندین میں ہی سے تھے۔

کچھ عرصہ بعد انہوں نے نفسیات قیادت Psychology of Leadership پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی جو لندن سے شائع ہوئی، بعد میں اسے اردو کے قالب میں ڈھال کر انہوں نے فلسفہ اجتماع نامی کتاب لکھی۔ ان دونوں کتابوں میں مستشرقین کی پیروی میں مذہب دشمنی اور تشکیک آفرینی جھلکتی ہے اور پیغمبروں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مذہب کے استخفاف کے متعدد پہلو نکلتے ہیں چنانچہ ان کتابوں پر ہندوستانی اخبارات و رسائل نے مخالفانہ تبصرے شائع کئے اور مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور کچھ عالموں نے ان پر کفر کا فتویٰ عائد کیا مگر مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور سید سلیمان ندوی وغیرہ نے اس سے اتفاق نہ کیا اور ان کی عدم تکفیر کے فتوے دیئے۔ مذہب کی طرف واپسی کے بعد مولانا نے فلسفہ اجتماع کو اپنی تصنیفات سے خارج کر دیا اور آخر عمر تک اس کے مشمولات سے اظہار بیزاری اور توبہ و استغفار کرتے رہے۔

مذہب سے بیگانگی اور برگشتگی کا یہ دور دس سال تک قائم رہا۔ جو ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ پھر اللہ کے فضل سے مذہب کی طرف بتدریج واپسی اچھی کتابوں کے مطالعہ کے بعض ہم عصر شخصیتوں کی حکیمانہ تبلیغ اور اثر سے ہوئی اور اسلام کی عظمت و معنویت کا راسخ نقش ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ مذہب سے قریب لانے میں حکیم کنفیوشش، بھگوت گیتا اور بدھ مت کی تعلیمات، مسز اینی بینٹ کے تھیاسوفی لٹریچر اور گاندھی جی کی تحریروں نے خاصا اہم کردار ادا کیا۔ مولانا شبلی کی سیرت النبی، مثنوی مولانا روم، مکتوبات مجددی، محمد علی لاہوری کے ترجمہ قرآن نے اسلام کی حقانیت کو ان پر واضح کرنے میں حد درجہ معاونت کی۔ جن اشخاص نے اس زمانے میں مولانا کو متاثر کیا ان میں مشہور شاعر سید اکبر حسین اکبرالہ آبادی، مولانا محمد علی جوہر (اس وقت مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ تھے)، علامہ سید سلیمان ندوی، مہدی حسن افادی، بھگوان داس (بنارس کے درویش)، مولوی عبدالاحد کسمنڈوی اور مولوی عابد حسین فتح پوری شامل تھے۔ لیکن ان سب میں نمبر اول اکبرالہ آبادی کا تھا۔ جو ان کے والد کے ملنے والے تھے اور مولانا کے ان سے تعلقات کالج کی طالب علمی سے شروع ہوئے۔ انہوں نے بڑی حکمت سے ایسی تبلیغ زبانی اور خطوں کے ذریعہ کی جس کی وجہ سے بھٹکا ہوا مسافر اپنی منزل پر پہنچ گیا اور مولانا ان کی زندگی ہی میں پختہ مسلمان ہو گئے تھے۔ مولانا اس سلسلے میں آخر دم تک ان کے ممنون رہے اور ان کا شمار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے خصوصی محسنوں میں کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی آپ بیتی اور متعدد مضامین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں کچھ اقتباسات پیش ہیں۔

''.....ایک روز (حضرت اکبر) بولے' کیوں صاحب آپ نے تو کالج میں عربی لی تھی پھر اب بھی کچھ اس سے مناسبت قائم ہے، علم وزبان کوئی ہو اس کی قدر تو کرنی ہی چاہیئے'، میں نے کہا' اب لکھنے پڑھنے کے لئے وقت کہاں ملتا ہے'، بولے' نہیں کچھ ایسا مشکل تو نہیں، قرآن کی بے مثل ادبیت کے تو اہل یوروپ بھی قائل ہیں اور سنا ہے جرمن یونیورسٹیوں میں قرآن کے آخری پندرہ پارے عربی ادب کے نصاب میں داخل ہیں، جتنے حصے آپ کی سمجھ میں نہ آئیں چھوڑتے جایئے اور یہ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے لئے نہیں لیکن آخر کہیں تو کچھ فقرے آپ کو پسند آ ہی جائیں گے بس ان ہی فقروں کو دو چار بار پڑھ لیا کیجئے اور آپ کے لئے کوئی قید باوضو ہونے کی نہیں''۔

اسی طرح اپنے ایک خط میں ان کو لکھا:

''قرآن شوق سے دیکھئے، قرآن مجید کو بطور تلاوت پڑھا کیجئے، ثواب کا عقیدہ نہیں سہی، لٹریری لطف وذوق کا خیال کیجئے کسی وقت تو کوئی آیت دل کو متوجہ کرے گی''۔

توحید رسالت اور قرآن کے بارے میں بلا کسی بحث ومناظرہ کے سلجھے ہوئے میٹھے انداز میں اکبر صاحب کی تبلیغ نے مولانا کی قبول حق میں بڑی مدد کی۔ اسی زمانۂ الحاد میں انہوں نے ایک خط میں ان کے صاحب ایمان ہو جانے کی پیش گوئی بھی کی تھی:

''ابھی آپ کا خط پہنچا، بے ساختہ مولانا نیاز احمد بریلوی کے ایک شعر پر میں نے تضمین کی۔

ماجد کو آپ سمجھیں بے گانہ طریقت دل میں مرے تو ہے اک امید کا قصیدہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں غالباً وہ مصداق اس شعر کے ارشاد کر گیا ہے ایک عبد برگزیدہ
من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدہ آہوئے دشت ہویم از ما سوا رمیدہ

خدا میری بات سچ کرے، میں نے سخن سازی نہیں کی، یہ impression تھا اور ہے"۔

جب مولانا نور ایمان سے سرفراز ہوئے تو خوش ہو کر انہوں نے ایک خط میں لکھا:

".....ہمارے مکرم ڈپٹی صاحب (مولانا کے والد) کو شاید شبہ اور افسوس تھا کہ لڑکا دین سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے اب فرشتوں سے یہ سن کر ان کی روح خوش ہوگی کہ وہ لڑکا اب حقیقت آشنا ہوتا جا رہا ہے۔ آپ ہنوز راہ میں ہیں، ابھی آپ نہیں جانتے کہ کیا نعمتیں آپ کو ملنے والی ہیں"۔

مقام مسرت ہے کہ حضرت اکبر کی پیشن گوئی پوری ہو کر رہی اور مولانا نہ صرف الحاد و تشکیک کی دلدل سے نکل آئے بلکہ پختہ مسلمان، مفسر قرآن اور عالم دین بن گئے۔

حضرت اکبر کے بعد دوسری نمایاں شخصیت مولانا محمد علی جوہر کی ہے جن کی انگریزی انشا پردازی اور قابلیت سے مولانا بڑے مرعوب تھے اور ان سے خاص عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ اپنی انگریزی کتاب سائیکلوجی آف لیڈرشپ ان کے پاس بغرض مطالعہ و اظہار رائے بھیجی۔ مولانا محمد علی نے کتاب پڑھی اور اس پر مفصل تنقید لکھ کر بھیجی جس سے ان کی اسلام کی محبت اور فرنگی استعمار اور حیلہ گری سے نفرت ظاہر ہوتی ہے۔

اپنے خط میں انہوں نے اس بات پر شدید گرفت کی کہ کتاب کے مصنف نے پیمبر اسلام کو محض ایک دنیاوی مصلح سمجھا ہے اور آسمانی کتابوں، نبوت اور وحی کا ذکر بہت ہلکے پن اور سطحی طور پر کیا ہے، چنانچہ خط میں انہوں نے لکھا:

".....میرا خیال تھا کہ آپ سچے اور حقیقی مسلمان ہیں، اس لئے پر مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ نے پیمبر اسلام جیسی مقدس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شخصیت اور قرآن جیسی مقدس آسمانی کتاب کا ذکر کس ہلکے پن سے کیا ہے۔ کیا یہ آورد و تصنع اپنی 'ناطرفداری' اور خالص 'علمی تحقیق' کے اظہار کے لئے ہے یا کیا؟ آپ کے لب و لہجہ میں تو صاف عیسائی مشنریوں کی بو آرہی ہے۔ برائے خدا اپنی عقل و تمیز و علم و تحقیقات کو اسلام اور صرف اسلام کے لئے وقف کر دیجئے اور اس دانش حاضر کے حجاب اکبر میں مستور و محجوب نہ رہئے"۔

مولانا اس بارے میں خود لکھتے ہیں کہ

"............(محمد علی) میرے تو گویا محبوب ہی تھے کبھی خط میں اور کبھی زبانی، جہاں ذرا بھی موقع پاتے ابل پڑتے اور جوش و خروش کے ساتھ کبھی ہنستے ہوئے کبھی گرجتے ہوئے اور کبھی آنسو بہاتے ہوئے تبلیغ کر ڈالتے"۔

اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک بڑی حکیمانہ بات بار بار دہرائی ہے کہ زمانہ الحاد میں مجھ پر کسی بڑی سے بڑی مذہبی شخصیت یہاں تک کہ مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کا کوئی اثر نہ ہوسکتا تھا البتہ محمد علی اور اکبر صاحب کی پند و موعظت براہ راست میرے دل و دماغ پر اثر کرتی تھیں۔

خود محمد علی مولانا کی قابلیت کے بڑے قائل تھے چنانچہ جب جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام علی گڑھ میں درختوں کے نیچے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ؒ کے ہاتھوں عمل میں آیا تو ان کا دل بے اختیار مولانا کو فلسفہ کے معلم کی حیثیت سے بلانے کو چاہا مگر دینی جذبہ غالب آیا اور ان کو خط میں یہ مؤثر فقرہ لکھا "جی چاہتا ہے کہ آپ کو جامعہ میں فلسفہ کا پروفیسر دیکھوں مگر مذہب زیادہ عزیز ہے"۔

سید سلیمان ندوی نے بھی اپنے رفیق کی مذہبی حالت کو بدلنے میں زبانی اور تحریری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر بڑی کوششیں کیں۔ اسی زمانے میں مولانا نے سائیکالوجی آف قرآن لکھا اور حضرت یوسف کے قصہ کو ڈرامے کی شکل دینا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے خط کے جواب میں سید صاحب نے بڑی دلسوزی سے ان کو نصیحت کی:

"..... نفسیات القرآن شوق سے لکھئے لیکن داد دینے کے لئے نہ کہ عیب جوئی کے لئے، بہر حال اگر آپ اس سے اسلام کی حمایت کا کام لیں تو خدارا جلد لکھئے اور اگر کچھ اور نیت ہے تو اس امت مرحومہ پر للہ رحم فرمایئے۔ یوسفؑ کا قصہ آپ قرآن سے لے کر کیوں لکھیں توریت سے لکھئے تاکہ دو اور قومیں بھی آپ کی ممنون ہوں"۔

اسی طرح مہدی حسن افادی جو ایک خوش مذاق اور قدرے آزاد خیال ادیب تھے اور مولانا کے مخلص دوست تھے۔ یہ بھی بڑی حکمت اور محبت کے ساتھ مولانا کی مذہب بیزاری اور ملحدانہ خیالات پر روک ٹوک کرتے رہے، وہ مولانا علمی قابلیت اور صلاحیت کے بڑے قدردان تھے اور ان کو محافظ عقلیات اور سید الطائفہ کے القاب سے یاد کرتے تھے لیکن ان کی مذہب بیزاری کو بھی پسند نہ کرتے تھے چنانچہ ان کی تصنیف فلسفہ اجتماع پڑھنے کے بعد اس پر کھل کر تنقید کی اور ان کو سلامت روی کی نصیحت کی۔ اس سلسلہ میں خود مولانا نے شکر گزاری کے ساتھ ان کے بارے میں لکھا:

"..... مہدی مرحوم میری تحریروں کے قدردانوں، پرستاروں بلکہ عاشقوں میں تھے، لکھنؤ آئے تو مجھے ایک موقع پر تنہا پا کر بولے "فلسفہ اجتماع کا عاشق زار مجھ سے بڑھ کر کون ہوگا۔ لیکن سن میں مجھ سے چھوٹے ہو اس لئے ایک بات کان میں ڈالے دیتا ہوں، پیغمبروں خصوصاً پیغمبر اسلامؐ کا تذکرہ جس طرح آیا ہے اس سے صاف استخفاف نکلتا ہے۔ عقائد کی بحث سے قطع نظر یہ رنگ کسی سنجیدہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنف کی متانت تحریر کے منافی ہے، جن شخصیتوں کا احترام کروڑوں انسان کر رہے ہوں ان کے مرتبہ کا لحاظ رکھنا تو لازماً تہذیب و شائستگی ہے۔ بات اتنے خلوص سے نکلتی تھی کہ سیدھی دل میں اتر گئی اور جو دل منکر و مکذب تھا وہ کم از کم زبان و قلم کی حد تک تو آدمی بن گیا۔ پھر ایک خط میں مہدی مرحوم نے اس سلسلہ میں انہیں لکھا ''میں نے آپ سے لکھنؤ میں ذکر کیا تھا کہ گو آپ نے آنحضرتؐ کی تنقیص نہیں کی تاہم اظہار خیال کی باریک تہ میں ایک طرح کی تضحیک پائی جاتی ہے۔ یہ معلمانہ رنگ ہے مستشرقانہ سنجیدگی نہیں۔ ایک آدھ لفظ کے ہیر پھیر سے یہ شکایت دور ہو سکتی ہے۔ یہ میں آپ کے لئے کر سکتا ہوں۔ آپ اجازت دیتے ہیں''؟

اسی بارے میں ایک اور خط میں اور زیادہ کھل کر اظہار خیال کیا اور ان کو سمجھانے کے لئے بڑا حکیمانہ طرز اختیار کیا:

''..... فلسفیت کے زور میں مذہب کی نسبتاً کوئی ریمارک یا طرز ادا ایسا نہ ہو جس سے اسکی تحقیر تو خیر خفیف سے خفیف بے رخی Indifference بھی پائی جائے۔ جو کچھ لکھئے مسلم بن کر لکھئے۔ یہ نکتہ چالیس سال بعد سمجھ میں آئے گا۔ اردو میں شبلی کے مصلح اعظم کہ محمدؐ نہ لکھئے آنحضرت لکھئے تو لٹریچر آپ کا شکر گزار ہوگا''۔

ان حضرات کے علاوہ مولوی عبدالباری ندوی، ظفر حسین خاں اور کچھ دیگر احباب واعزہ خاص کر برادر معظم نے بھی مولانا کے ملحدانہ خیالات کو تبدیل کرنے کی کوششیں کیں۔ مسلمانوں کے علاوہ چند غیر مسلم شخصیتوں نے بھی مولانا کو مذہب کی طرف مائل کیا جن میں سرفہرست نام بنارس کے ہندو کالج کے استاد فلسفہ جو سنسکرت اور فارسی کے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاضل تھے، بھگوان داس کا آتا ہے جو مسز اینی بینٹ کے دست راست تھے اور انگریزی میں فلسفہ اور تصوف پر بہت سی کتابیں اور مقالے لکھ چکے تھے جن میں مادیت کی سطحیت اور وقری اور روحانیت کے فضائل خوبی سے بیان کئے گئے تھے۔ گیان دھیان کے طریقوں پر عامل بھی تھے اور کچھ مسلمان اہل دل بزرگوں کی صحبت بھی اٹھائے ہوئے تھے چنانچہ جون ۱۹۱۳ء میں کلکتہ جاتے ہوئے مولانا بنارس میں دو دن کے لئے ٹھہر گئے اور ان سے ملاقات کی، جس کا ذکر اپنی آپ بیتی میں اس طرح کیا ہے:

''ڈاکٹر بھگوان داس سے ملا، کتابیں پڑھ کر گرویدہ ہو ہی چکا تھا، عجیب بزرگ تھے، فلسفی تو خیر تھے ہی ساتھ ہی ہندو جوگ کی خوب ریاضتیں لئے ہوئے، آنکھوں میں چمک، چہرہ پر ایک طرح کا نور، باتیں بڑی حد تک حقیقت سنجی کی کرتے رہے اور میرا الحاد کسی نہ کسی حد تک ان کی روحانیت سے متاثر رہا''۔

پھر اپنی آخری کتاب ''معاصرین'' میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

''.....دور الحاد میں اگر بھگوان داس سے نہ مل لیا ہوتا تو خدا معلوم میں انکار کی کن پستیوں تک جا پہنچتا، ہندوؤں کی مشہور دینی کتاب بھگوت گیتا کا انگریزی ترجمہ انہیں کا کیا ہوا دیکھا تھا اور اچھا خاصا نفع اس سے حاصل کیا۔ حکمت مطلقہ کن کن لوگوں کو کن کن موقعوں پر اور کن کن صورتوں سے ذریعہ اور واسطہ ہدایت و رہنمائی کا بناتی رہتی ہے''۔

اس کے ساتھ ہی مسز اینی بینٹ، گاندھی اور ارابندو گھوش کی تحریروں نے بھی ان کی مذہب کی طرف واپسی میں خاصی مدد کی جس کا ذکر وہ برابر شکر سے کرتے تھے، اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ الحاد کے زمانے میں مولانا کا تعلق نہ مولانا اشرف علی تھانوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے تھا اور نہ کسی اور مستند عالم سے تھا جو ان کے مذہبی خیالات کی اصلاح کرتا بلکہ اس زمانے میں تو وہ ایسے لوگوں کے نام سے بھڑ کتے تھے۔ شخصیتوں کے تاثر کے ساتھ تین کتابوں نے مولانا کی ذہنی کایا پلٹ کردی۔ ایک مولانا شبلیؒ کی سیرۃ النبی حصہ اول، دوسری مولانا رومؒ کی مثنوی معنوی اور تیسری مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی۔ ان کتابوں کے فیضان واحسان کے بارے میں وہ آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

> ''نفس شوم کو سب سے بڑی ٹھوکر جو لگی تھی وہ اس سیرت اقدسؐ کے متعلق ہی تو تھی۔ مستشرقین ومحققین فرنگ کے حملوں کا اصل ہدف ذات رسالتؐ ہی تو تھی، خصوصاً بسلسلہ غزوات ومحاربات۔ ظالموں نے طرح طرح سے دل میں بٹھادیا تھا کہ ذات مبارک نعوذ باللہ بالکل ایک ظالم فاتح کی تھی۔ شبلیؒ نے (اللہ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے) اصل دوا اس درد کی کی۔ مرہم اسی زخم پر رکھا اور کتاب جب بند کی تو چشم تصور کے سامنے رسول عربیؐ کی تصویر ایک بڑے مصلح قوم و ملک ایک رحم دل وفیض حاکم کی تھی جس کو اگر جدال وقتال سے کام لینا پڑا بھی تو بالکل آخر درجے میں''۔

پھر مولانا اشرف علی تھانوی کو اپنے ایک خط میں شبلیؒ کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کیونکہ مولانا تھانوی مولانا شبلی سے ان کے متکلم ہونے کی بنا پر ناخوش رہتے تھے:

> ''دوسری چیز جو میرے ذاتی تجربہ کی ہے، انگریزیت کے اثر سے مدتوں ملحد رہ چکا ہوں، سرکار رسالتؐ سے نعوذ باللہ ایک عناد کی کیفیت تھی، مولانا شبلی کی سیرۃ النبی جلد اول اس وقت شائع ہوئی، عبارت اسلوب بیان وغیرہ بالکل ہم انگریزی خوانوں کے مذاق کے مطابق تھا۔ اس دور میں اس کا مطالعہ میرے حق میں اکسیر ہوگیا''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دلچسپ بات ہے کہ مولانا تھانویؒ مولانا شبلی سے بہت ناخوش رہتے تھے لیکن اپنے مرشد کی رائے سے مولانا نے کھل کر اختلاف کیا اور ان کے سامنے اپنے اس موقف پر بار بار اصرار کیا کہ مصنف سیرۃ النبیؐ اور الفاروقؓ، قیامت کے دن مومنین اور صاحب ایمان لوگوں کے گروہ میں نمایاں ہوگا۔

۱۹۱۹ء میں مثنوی معنوی کے دفاتر کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا:

> ''کتاب شروع کرنے کی دیر تھی کہ یہ معلوم ہوا کسی نے جادو کر دیا، کہاں کا کھانا پینا اور کیسا سونا، بس جی یہی چاہتا تھا کہ کمرہ بند کر کے خلوت میں کتاب پڑھتے جایئے کہیں کہیں آنسو بہایئے بلکہ کہیں کہیں چیخ بھی پڑیئے۔ مکتوبات مجدد سرہندی نے بھی تقریباً طبیعت پر وہی اثر ڈالا جیسا کہ تین چار سال قبل مثنوی سے پڑ چکا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ مثنوی نے جوش، مستی و گرمی پیدا کر دی تھی۔ بجائے ادھر ادھر کی آوارہ گردی اور ہر صاحب مزار و صاحب آستانہ سے لو لگانے کے اب متعین شاہراہ اتباع شریعت مل گئی۔ منزل مقصود متعین ہوگئی کہ وہ رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول وصول کا ذریعہ اتباع احکام مصطفویؐ ہے۔ مثنوی اور مکتوبات دونوں کا یہ احسان عمر بھر بھولنے والا نہیں''۔

یہ صحیح ہے کہ الحاد سے ایمان تک لانے میں افراد و کتب کی حکمت آموزی اور تاثر پذیری کا بڑا حصہ رہا لیکن اس ضمن میں مولانا کے والد مولوی عبدالقادر صاحب کے دل سے نکلی ہوئی دعا جو انہوں نے دوران حج غلاف کعبہ پکڑ کر اپنے بے دین اور ملحد بیٹے کے لئے کی تھی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ آپ بیتی میں اس واقعہ کا ذکر مولانا نے بڑے تاثر سے کیا ہے:

> ''والد مرحوم کی وفات نومبر ۱۹۱۲ء میں مکہ معظمہ میں دوران

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج میں ہوئی، انہیں میری بے دینی سے قدرتاً سخت آزردگی اور اذیت قلب تھی، بے چارے کا جہاں تک ذہن پہنچا ہر مذہبی شخصیت سے مجھے ملا ملا کر میری اصلاح چاہتے، جو عزیز سفر حج میں ہمراہ تھے ان سے بعد کو معلوم ہوا کہ مرحوم نے غلاف کعبہ تھام کر اپنے لخت جگر کی ہدایت و بازیابی کی دعا قلب کی گہرائیوں سے کی تھی۔ مرد مومن و مضطر کا تیر نشانے پر دیر سویر آخر کب تک نہ پڑتا۔ جس قادر مطلق نے پیمبر برحق یعقوب کو خوب رلا رلا کر ان کی دعا آخر فرزند کی بازیابی کے حق میں قبول کی تھی وہ امت محمدؐ کے ایک فرد اور آل یعقوبؑ کے ایک فرد عبدالقادر کو کیا سدا محروم ہی رکھتا"۔

الحاد کا دور مولانا کی زندگی کا بڑا اہم اور سبق آموز ہے، خود اس بارے میں جو انہوں نے لکھا اور زبانی بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ الحاد و تشکیک ہر قسم کی کتابوں کے بے قید مطالعہ، ارباب فرنگ سے مرعوبیت اور غلط صحبت کی وجہ سے پیدا ہوا اور بڑھا۔

اس فتنہ کی اہمیت کا اندازہ طرز قدیم کے علماء اور عام شریف گھرانوں کے لوگ لگا ہی نہیں سکتے، اس زمانے میں وہ مذہبی لوگوں کی صحبت، تذکروں، کتابوں سے بھاگتے تھے۔ آخر خدا کے فضل سے حضرت اکبرالہ آبادی، مولانا محمد علی، سید سلیمان ندوی، مہدی افادی، بھگوان داس کی شخصیتوں اور ان کی حکیمانہ تبلیغ نیز سیرت النبی، مثنوی مولانا روم، بھگوان داس، اینی بینٹ، گاندھی جی کی تحریروں، بھگوت گیتا اور ہندو تصوف کی کتابوں کے اثر سے الحاد کا رنگ قلب سے دور ہوا اور مذہب کی طرف واپسی ہوئی، چنانچہ اس زمانے میں مولانا نے اپنی بھولی بھالی، زنگ خوردہ عربی کو پھر سے تازہ اور صاف کیا اور دوسری بات نور ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اپنے نکاح کی تجدید کی، چونکہ انہوں نے مدرسہ میں روایتی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس لئے اپنی ذہانت اور محنت سے عربی فارسی کی مشہور کتابیں پڑھیں۔ مگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب سے ان کی واپسی روایتی تصوف اور خانقاہی مشیخت کے راستہ ہوئی اسی لئے کئی سال تک وہ درگاہوں پر حاضری دیتے، عرسوں میں شریک ہوتے اور قوالی سنتے رہے، خاص کر خواجہ حسن نظامی کے مہمان بن کر ہفتوں حضرت نظام الدین میں مقیم رہے اس کے علاوہ آستانہ اجمیر، درگاہ بختیار کاکی، شاہ میناؒ ردولی، دیوہ اور بانسہ کے مزارات کے پھیرے کرتے رہے، خود اپنے جد امجد حضرت محمد آبکشؒ کا کئی سال تک عرس کرایا۔ قوالی کی محفلوں میں حال آتا، حضورؐ کے اسم مبارک کو سن کر خاص کیفیت طاری ہوجاتی، مگر پھر مکتوبات مجددی کے مطالعہ اور پابند شریعت عالموں کی صحبت سے ان کے خیالات میں انقلاب ہوا اور وہ ایک سچے مسلمان کی طرح شریعت اسلامی کے مطابق زندگی گزارنے لگے۔ دینی کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ تلاش مرشد اپنے پرانے رفیق مولوی عبد الباری ندوی کے ساتھ جاری رکھی یہاں تک کہ حضرت مولانا اشرف علیؒ کے آستانے میں پہنچے اور ان کے مشورہ سے مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت کرلی، مگر اصل فیض انہوں نے مولانا اشرف علی کی حکیمانہ تربیت سے اٹھایا جہاں وہ بار بار جاتے، خطوط میں اپنا حال لکھتے اور ہر معاملہ میں مولانا سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس جوہر قابل کی صلاحیت کو بھانپ لیا تھا اور اپنی بے مثال اعتدال پسندی اور حکیمانہ تبلیغ سے مولانا کو کہاں سے کہاں پہنچادیا چنانچہ وہ بڑے تاثر سے تھانہ بھون کے بڑے میاں کی مثالی تربیت کا ذکر کرتے تھے۔ مولانا تھانوی کی صحبت نے ان کو صحیح مسلک سے روشناس کیا، تفسیر قرآن، ہم عصر شخصیتوں اور کچھ سیاسی، مذہبی، تاریخی معاملات میں انہوں نے کھل کر اپنے محبوب مقتدا اختلاف کیا اور یہ مولانا تھانوی کی بڑائی تھی کہ انہوں نے اس اختلاف فکر کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ اس کی بخوشی اجازت بھی دی۔

از سر نو مسلمان ہونے کے بعد دینی تقاضوں کے پیش نظر مولانا نے اپنے دوست اور معالج ڈاکٹر عبد العلی صاحب سے اپنے بائیں بازو پر اپنی محبوب منگیتر کے گدوائے ہوئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام کو کھرچوایا اور اس سلسلہ میں خاصی تکلیف برداشت کی۔ مذہب سے واپسی کے بعد مولانا نے علوم اسلامی اور عربی کی طرف توجہ کی اور اپنی ذہانت اور پختگی ایمان کی برکت سے ان پر پورا عبور حاصل کرلیا۔

۱۹۱۶ء میں مہاراجہ محمود آباد جو اودھ کے ایک ذی علم اور ہوشمند والی ریاست تھے اور مولانا پر بہت مہربان تھے نے یہ خواہش ظاہر کی کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی طرز پر اردو انسائیکلو پیڈیا تیار کی جائے اور انہوں نے اس سلسلہ میں ایک لاکھ روپیہ کی رقم خطیر دینے کا ارادہ بھی ظاہر کیا، یہ ایک بڑا علمی منصوبہ تھا جو اگر پایہ تکمیل پر پہنچ جاتا تو اردو زبان اور علمی دنیا کا ایک شاندار کارنامہ ہوتا۔ چنانچہ مولانا نے مہاراجہ صاحب سے ابتدائی گفتگو کے بعد اپنے رفیق سید سلیمان ندوی کے مشورہ سے ایک جامع منصوبہ تیار کیا جس کے تحت تاریخ، طب، قانون، ادب، سیاست، جغرافیہ، مذہب، فلسفہ، سائنس، آرٹ غرض کہ یہ تمام علوم وفنون پر مستند عالموں سے مقالے تیار کرا کر ایک مفصل انسائیکلو پیڈیا اردو میں مرتب کی جانا تھی، اس منصوبہ کے لئے ان دونوں حضرات نے مفصل مضامین اس زمانے کے مشہور اردو اخبارات وکیل امرتسر، مشرق گورکھپور، ہمدم لکھنؤ، العصر لاہور، ناصر الاخبار جونپور اور متعدد رسائل میں شائع کرائے اور کچھ عرصہ تک اس کی پُرزور تائید میں علم وادب سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں کے مراسلے نکلے جن میں مہدی الافادی کا نام سرفہرست تھا، مگر سخت افسوس ہے کہ یہ منصوبہ محض ایک سراب ثابت ہوا اور مہاراجہ صاحب نے اس میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ورنہ علمی دنیا میں ایک بڑا قابل قدر اضافہ ہوجاتا۔ مولانا نے اس کا ذکر بڑے تاسف سے اپنی آپ بیتی میں کیا ہے۔

تلاش معاش اور ملازمتیں

۱۹۱۳ء میں مولانا نے تکمیل تعلیم کے بعد ملازمت کا ارادہ کیا۔ والد کے انتقال کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد پورے کنبہ کو معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان کا پہلا خیال کیننگ کالج لکھنؤ میں اسسٹنٹ پروفیسر یا جونیر لکچرر کی طرف گیا اور مولانا شبلی نے اس سلسلہ میں کالج کے پرنسپل کو ایک خط بھی لکھا جس میں مولانا کی قابلیت اور علمی اوصاف کی بنا پر ان کے تقرری کی پُر زور سفارش کی مگر یہ تقرر نہ ہوسکا۔ اس کے بعد پوسٹ آفس اور محکمہ ریلوے میں افسر گریڈ میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے کوششیں کیں اور ان کے لئے اونچی سفارشیں بھی مل گئیں، مگر کامیابی نہیں ہوئی، پنجاب یونیورسٹی میں اردو کے استاد کی جگہ خالی ہوئی جس کے لئے حضرت اکبرالہ آبادی نے علامہ اقبال کو خط لکھا مگر یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ اسی دوران وہ رسالہ ادیب الہ آباد، الناظر لکھنؤ اور کچھ اور رسالوں میں معاوضہ پر مضامین لکھتے رہے، نیز مولانا شبلی نے سیرت النبی کے لئے انگریزی ماخذوں سے ترجمہ کے لئے ان کو پچاس روپیہ ماہوار پر اپنے اسٹاف میں رکھ لیا مگر تھوڑے دنوں کے بعد الحاد کی وجہ سے ان کو اس خدمت سے الگ ہونا پڑا۔ مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو بھی ان کو ترجمے کے کام دیا کرتے تھے جس سے ان کا کام چلتا رہا۔ جون ۱۹۱۶ء میں ان کی شادی ہوگئی جس کی وجہ سے قدرتاً معیشت کا مسئلہ اور زیادہ سنگین ہوگیا، علی گڑھ کے ذی علم رئیس صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے ان کی قابلیت سے متاثر ہوکر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے لٹریری اسسٹنٹ کے طور پر دوسو روپیہ کے مشاہرہ پر ان کا تقرر کرلیا جہاں کانفرنس میگزین کی تدوین کے ساتھ متفرق تصنیف وتالیف کا کام ان کے سپرد کیا گیا مگر وہ یہاں زیادہ دنوں تک نہ رہ سکے کیونکہ بقول ان کے طبیعت ہر قسم کے قید و بند کو بار سمجھ رہی تھی، محبوب بیوی سے جدائی اور لکھنؤ کی دلچسپ محفلوں کی کشش کی بنا پر خرابی صحت کے عذر پر استعفیٰ دے دیا۔ ممکن ہے کہ ملازمت چھوڑنے کی ایک وجہ ان کی علی گڑھ کے ماحول سے دل برداشتگی بھی ہو چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا محمد علی جوہر اور مہدی الافادی نے کسی حد تک ذمہ دار آفتاب احمد خاں کے مزاج کی سختی کو بھی ٹھہرایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد ستمبر ۱۹۱۷ء میں حیدرآباد کے سررشتہ تالیف وترجمہ میں مولانا کا تقرر بطور مترجم فلسفہ ومنطق ہوگیا اس سررشتہ کے ناظم مولوی عبدالحق تھے اور مولانا کے ساتھ کام کرنے والوں میں سید ہاشمی فرید آبادی، مولوی عبدالحلیم شرر، ظفر علی خاں اور عبداللہ العمادی جیسے ممتاز لکھنے والے بھی شامل تھے۔ مولانا کا قیام حیدرآباد میں گیارہ ماہ تک رہا، بیوی بھی ان کے ہمراہ تھیں اور وہاں کے علمی ماحول اور کام سے تو خوش تھے البتہ ملازمت کی پابندیوں کی وجہ سے جی نہ لگا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اسی زمانے میں ان کی کتاب فلسفہ اجتماع شائع ہوئی تھی جس پر مذہبی حلقوں میں ان کے الحاد کے خلاف زبردست شورش ہوئی جس میں حیدرآباد کے ایک اخبار صحیفہ نے اہم کردار ادا کیا چنانچہ یکم اگست ۱۹۱۸ء کو لکھنؤ سے انہوں نے اپنا استعفیٰ بھیج دیا اور اپنی جگہ پر مرزا محمد ہادی رسوا کا نام بھی لکھ کر بھیج دیا چنانچہ مرزا صاحب کا اس جگہ پر تقرر ہوگیا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

ملازمت چھوڑنے کے بعد وہ رسالہ معارف اعظم گڑھ میں مضامین لکھتے رہے اور کچھ مدت تک اس کے معاون مدیر بھیر ہے اور دارالمصنفین اعظم گڑھ سے کچھ کتابوں کے ترجمے بھی معاوضہ پر کئے۔ اسی زمانے میں بمبئی یونیورسٹی کے برطانوی استاد پروفیسر گیڈس جو کیننگ کالج لکھنؤ میں مولانا کے استاد رہ چکے تھے نے سوشیالوجی کے استاد کی حیثیت سے ان کو وہاں بلایا مگر انہوں نے معذرت کردی۔

۱۹۱۹ء کے شروع میں نظام حیدرآباد کو وظیفہ علمی کے لئے درخواست بھیجی، نظام حیدرآباد میر عثمان علی خاں بڑے علم دوست تھے انہوں نے ان کو حیدرآباد ملنے کے لئے بلایا اور گھر بیٹھے علمی یا تصنیفی پنشن سوا سو روپیہ ماہوار کی مقرر کردی، شرط یہ تھی کہ وہ سال میں کوئی کتاب لکھ کر سلسلہ آصفیہ سے منسوب کردیں، یہ وظیفہ جو بعد میں بڑھ کر دو سو روپیہ ماہوار ہوگیا تھا زندگی بھر مولانا کو ملتا رہا، صرف سقوط حیدرآباد کے بعد چند ماہ تک بند رہا، پھر لکھنؤ کے سرکاری خزانے سے ملتا رہا۔ اس وظیفہ نے مولانا کے علمی سفر کو آسان بنادیا اور انہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ملازمت کے خیال کو دل سے نکال دیا۔ جب جامعہ ملیہ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا محمد علی جوہر چاہتے تھے کہ ان کو جامعہ میں فلسفہ کا پروفیسر مقرر کر دیں مگر انہیں ان کے الحاد کی وجہ سے تامل ہو رہا تھا اور اسی لئے انہوں نے ایک خط میں انہیں لکھا ''جی چاہتا تھا کہ آپ کو یہاں دیکھوں مگر علم مذہب سے زیادہ عزیز ہے''۔ اس وقت تک مولانا پکے مسلمان بن چکے تھے اور وہ چاہتے تو بڑی آسانی سے ان کی غلط فہمی کو دور کر کے یہ ملازمت حاصل کر سکتے تھے مگر اس وقت تک وہ ملازمت سے قطعی بے نیاز ہو چکے تھے۔

گھریلو حالات، شادی و اولاد

مولانا کے بزرگوں اور والدین کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے خود انہوں نے آپ بیتی معاصرین اور اپنے مضامین میں ان کا ذکر تعریف و توصیف کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا کے ایک بڑے بھائی عبدالمجید (راقم مرتب کے والد) اور ایک بڑی بہن تھیں جو نہایت نیک سیرت اور عابدہ و صالحہ خاتون تھیں، ان تینوں میں بڑی محبت و یگانگت تھی۔ دونوں بھائیوں کی محبت خاندان میں مثالی سمجھی جاتی تھی، عبدالمجید صاحب ان سے چھ سال بڑے تھے مگر مولانا سے ان کے ہمیشہ مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات رہے۔ حسن اتفاق کہ ان کے چار لڑکے تھے اور مولانا کی چار لڑکیاں، ان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی بڑی سادگی اور خاموشی سے مولانا نے کیں اور کمال کی بات یہ ہوئی کہ ان چار چار سمدھیانوں کے باوجود کبھی بھی تلخی یا ملال کی بات یہ ہوئی اور سب مل جل کر رہے۔

اس زمانہ میں منگنی اور بچپن کی شادی کا بھی رواج تھا چنانچہ آٹھ نو سال کی عمر میں مولانا کی نسبت بزرگوں نے ایک قریبی عزیزہ سے ٹھہرا دی جو سلیقہ مند اور خوش اطوار تو تھیں مگر شہری معاشرت، انگریزی تعلیم اور جدید تقاضوں سے ناواقف تھیں اس لئے کالج میں پہنچنے کے بعد مولانا نے اس نسبت کی مخالفت شروع کی اور والدہ کی کوششوں کے باوجود کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح اس پر آمادہ نہیں ہوئے۔ ان کے ایک حقیقی خالہ زاد بھائی شیخ یوسف الزماں باندہ (بندیل کھنڈ) کے ایک خوشحال رئیس تھے، ان کی چھوٹی بیٹی عفت النساء قبول صورت وخوش آواز تھیں۔ تعلیم ختم ہونے کے بعد جب مولانا کا قیام لکھنؤ میں تھا باندہ کا کنبہ بھی لکھنؤ منتقل ہوآیا۔ یہاں ان کا آنا جانا کثرت سے ہونے لگا۔ اتفاق سے صاحبزادی بخار اور ٹانگوں کے شدید درد میں مبتلا ہوگئیں، اسی زمانہ میں مولانا کی شہرت ہپناٹزم کے ذریعہ چھوٹے موٹے امراض کے کامیاب علاج کے سلسلے میں ہو چکی تھی چنانچہ لڑکی کے والد اور کچھ عزیزوں کے کہنے پر انہوں نے ان کو 'معمول' بنا کر علاج کا تجربہ کیا جس میں خدا کے فضل سے کامیابی ہوئی۔ اسی کے ساتھ مولانا ان کی محبت میں گرفتار ہوگئے۔ کچھ کوششوں کے بعد طرفین بزرگ اس شادی پر رضامند ہوگئے، مولانا نے یہ دلچسپ کہانی بڑے شگفتہ انداز میں اپنی آپ بیتی میں قلمبند کی ہے۔ ان کی شادی دھوم دھام سے ۲؍جون ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوئی جس میں اعزہ واقارب کے علاوہ متعدد معزز شخصیتوں نے بھی شرکت کی جس میں جسٹس کرامت حسین، سید سلیمان ندوی، سید سجاد حیدر یلدرم، ڈاکٹر حفیظ سید وغیرہ نے شرکت کی۔ دلھن کو دریاباد لے جانے کے لئے مہاراجہ محمود آباد نے اپنی موٹر بھیجی۔ اس موقعہ پر اکبرالہ آبادی، سید سلیمان ندوی اور مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی نے اشعار کہے اور تاریخ نکالی۔ چنانچہ حضرت اکبر نے ''فروغ ماجد'' سے مادہ تاریخ نکالا، عزیز لکھنوی نے سہرا لکھا، سید سلیمان ندوی نے حسب ذیل رباعی اس موقعہ پر نظم کی

لایا ہے پیام یہ خوشی کا قاصد — نوشہ بنے ہیں آج عبدالماجد
وہ روز سعید بھی خدا لائے جلد — بن جائیں جب وہ کسی کے والد ماجد

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر ضروری ہے، بیوی اونچے تعلقہ دار گھرانے کی تھیں چنانچہ مہر ایک لاکھ اشرفی زرسرخ طے ہوا، جسٹس کرامت حسین صاحب اس محفل عقد میں موجود تھے انہوں نے اس غیر شرعی مہر پر اعتراض کیا مگر سسرال والوں نے نہ مانا۔ بعد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مولانا اشرف علی تھانوی کے حسب مشورہ انہوں نے یہ مہر اپنی بیوی سے معاف کرایا اور اس کے بدلے اپنی حیثیت کے مطابق رقم مہر ادا کردی۔

خود مولانا نے اس موقعہ پر اپنے احباب کو صبح کے ناشتہ کی دعوت رائل اینڈ ملٹری ہوٹل (موجودہ برلنگٹن ہوٹل) حسین گنج لکھنؤ میں دی۔ اس موقعہ پر ان کے احباب واعزہ کا ایک فوٹو گروپ بھی ہوا جو تاریخی اہمیت رکھتا ہے، جس میں مولانا سید سلیمان ندوی، جسٹس کرامت حسین، ڈاکٹر حفیظ سید، سجاد حیدر اور دیگر اعزہ واحباب شامل تھے۔

ان کی ازدواجی زندگی بحیثیت مجموعی بڑی اچھی اور خوشگوار گزری بجز ایک مختصر عرصہ کے جب انہوں نے عقد ثانی کیا، کچھ مدت کے بعد مختلف وجوہ کی بنا پر انہوں نے زوجہ ثانی کو طلاق دی۔ اس ذاتی واقعہ کی آڑ لے کر ان کے مخالفین نے مولانا پر بڑی کیچڑ اچھالی اور تحریر وتقریر کے ذریعہ ان کے کردار پر نازیبا حملے کئے۔ اس مسئلہ میں نیاز فتح پوری مدیر نگار کا رویہ خاص طور پر معاندانہ اور قابل اعتراض تھا اور بھی کچھ مخالف اخباروں اور رسالوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ حالانکہ یہ نکاح ۱۹۳۰ء میں مولانا نے اپنی پہلی بیوی کی اجازت سے اپنے ایک عزیز مرحوم دوست کی بیوہ سے انسانی ہمدردی اور ان کی مدد کرنے کے لئے کیا تھا مگر مولانا کے گھر والوں اور سسرالی اعزہ نے اس کا بہت برا مانا بلکہ کہنا چاہیئے پوری برادری میں کھلبلی مچ گئی۔ اس وقت دوسری شادی اور طلاق کو شریف گھرانوں میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یہ دوسری شادی نو ماہ تک قائم رہی۔ دوسری بیوی کی صورت، سیرت اور اطوار وعادات مولانا کو پسند نہ آئے اور نہ وہ خود اپنے کو نئے ماحول میں ڈھال سکیں، پہلی بیوی اجازت دینے کے بعد شدید غم واضطراب میں مبتلا ہوگئیں اور اختلاج کے خطرناک دورے پڑنے لگے۔ مجبوراً مولانا نے اپنے مرشد مولانا حسین احمد مدنیؒ اور محبوب مقتدا مولانا اشرف علی تھانوی سے مشورہ کرنے کے بعد انہیں طلاق دے دی اور مہر بھی ادا کردیا، جب تک دوسری بیوی زندہ رہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کی کوشش کرتے رہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی بیوی سے مولانا کے دولڑکے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں جن میں سے دولڑکے اور ایک لڑکی بچپن ہی میں انتقال کر گئے، چاروں لڑکیوں کی شادیاں انہوں نے شرعی طریقہ پر بڑی سادگی سے اپنے بھتیجوں (مولوی عبدالمجید صاحب کے لڑکوں) سے کردی۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

	لڑکی کا نام	شوہر کا نام	اولاد
۱۔	رافت النساء	حکیم عبدالقوی آفتاب احمد	کوئی اولاد نہیں
۲۔	حمیرا خاتون	حبیب احمد قدوائی	چار لڑکے اور دو لڑکیاں
۳۔	زہیرا خاتون	محمد ہاشم قدوائی	دو لڑکے اور تین لڑکیاں
۴۔	زاہدہ خاتون	عبدالعلیم قدوائی	دو لڑکے اور تین لڑکیاں

چاروں لڑکیاں اور بڑے اور منجھلے بھتیجے راہی جنت ہو چکے ہیں۔ خدا کے فضل سے پورے خاندان میں مذہبیت اور پڑھنے لکھنے سے شغف پایا جاتا ہے چنانچہ دونواسے یونیورسٹیوں اور دو صحافت کے پیشہ میں اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔

قیام لکھنؤ

لکھنؤ ایک طرح سے مولانا کا وطن ثانی ہے۔ کالجی تعلیم کے لئے وہ لکھنؤ آئے یہیں ان کا مولانا شبلی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، مولانا محمد علی جوہر، اکبرالہ آبادی، مولوی عبدالحق، عزیز لکھنوی، ثاقب لکھنوی، چودھری محمد علی، مرزا محمد ہادی رسوا، صفی لکھنوی، طفر الملک اور ان کے پرچہ الناظر سے تعارف ہوا اور باقاعدہ تصنیف و تالیف کا کام بھی یہیں سے شروع کیا چنانچہ پہلی کتاب انگریزی میں Psychology of Leadership لندن سے شائع ہوئی۔ متعدد کتابوں کے تراجم کئے، فلسفہ جذبات، مکالمات برکلے، فیہ مافیہ، تصوف اسلام، فلسفہ اجتماع نامی کتابیں لکھیں اور ان کے مضامین الناظر، وکیل امرتسر، ہمدم لکھنؤ، معارف اعظم گڑھ، ادیب الہ آباد، ہندوستانی الہ آباد وغیرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شائع ہوئے۔ روزنامہ حقیقت کی ادارت ونگرانی بھی اسی زمانہ میں کی، اور لکھنؤ کی ثقافتی اور علمی محفلوں میں ان کی پذیرائی باوجود ان کے الحاد کے عزت واحترام کے ساتھ ہوئی۔ یہیں رہ کر انہوں نے علی گڑھ اور حیدرآباد میں مختصر عرصہ کے لئے ملازمتیں کیں مگر ان کا دل نہ لگا اور وہ لکھنؤ واپس آ گئے۔ مذہب کی طرف واپسی کے بعد اور مذہبی علوم کی تحصیل علم کے مشغلہ میں انہیں لکھنؤ کی چہل پہل اور دلچسپیاں پسند نہ آئیں اور بارہ تیرہ سال کے قیام کے بعد انہوں نے لکھنؤ چھوڑ کر مستقل قیام اپنے وطن قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی میں ۱۹۲۲ء سے کرلیا جہاں کی پُرسکون اور خاموش زندگی انہیں بہت پسند آئی اور آخر دم تک وہ وہیں مقیم رہے۔ انہوں نے تحریروں اور زبانی گفتگو میں کئی جگہ اس حقیقت کا اعادہ کیا کہ کلام مجید کے ترجمہ وتفسیر، علم وادب وصحافت کی جو کچھ خدمت بھی ان سے بن پڑی وہ قیام دریاباد کی وجہ سے ہوئی، وہاں ان کے والد کا بنوایا ہوا حویلی طرز کا کشادہ مکان گزر اوقات کے لئے تھوڑی بہت زمینداری تھی اور کچھ قریبی اعزہ بھی رہتے تھے۔ یہ ۵۳-۵۴ سال کی مدت ان کی زندگی اور علمی وادبی کارناموں میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہاں انہوں نے ایک قابل رشک منضبط زندگی توازن واعتدال کے ساتھ گزاری۔ یہاں رہ کر انہوں نے متعدد سفر کئے، اپنے ہم عصروں سے تعلقات قائم رکھے، سچ، صدق اور صدق جدید کے پرچے ترتیب کر کے باقاعدگی سے لکھنؤ سے شائع کرائے۔ ان کی وجہ سے دریاباد کا نام ساری دنیا میں مشہور ہو گیا خاص کر براعظم صغیر میں۔ انہوں نے دریاباد کا اپنے نام کا جزو لاینفک بنا دیا تھا حالانکہ اپنے کو قدوائی صرف خاص خاص موقعوں پر لکھا۔

سیاست میں حصہ

مولانا موجودہ سیاست سے ہمیشہ الگ تھلگ اور بیزار رہے۔ وہ مولانا محمد علی جوہر کے طرز سیاست سے بہت متاثر تھے جن میں مذہب اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا خاص اہتمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، انہی کے اثر سے وہ چند سال تک سیاست میں تحریک خلافت کے زمانے میں رہے۔ ان کا رجحان قوم پروری، کانگریس، ہندو مسلم اتحاد اور گاندھی جی کی تعلیمات کی طرف تھا۔ خلافت اور تحریک ترک موالات کے جلسوں میں بھی وہ شریک ہوئے لیکن اس سلسلہ میں کوئی بڑا عملی قدم نہیں اٹھایا اور اپنے اخبار، نجی خطوں اور تحریروں میں اس سے دلی ہمدردی اور دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا محمد علی کی تجویز پر انہیں اودھ خلافت کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ فروری ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ کی خلافت کانفرنس میں انہوں نے ایک پر جوش خطبہ صدارت دیا جس میں اپنے سیاسی موقف کو پورے طور پر واضح کیا۔ یہ خطبہ معنویت کے ساتھ ایک ادبی شہ پارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا سیاسی انداز و فکر بنیادی طور پر روحانی، ملّی اور اسلامی تھا، تجدید خلافت کی پُر زور حمایت کے ساتھ انہوں نے والی حجاز ابن سعود کی ملوکیت کی سخت مخالفت کی۔ گاندھی جی کی شخصیت اور ان کی تعلیمات سے انہوں نے جو تاثر حاصل کیا اس کی بنیاد ان کی خدا پرستی، سادگی، قناعت پر تھی چنانچہ اپنی تحریروں میں گاندھی جی سے اپنی عقیدت کا اظہار ان کی مذہبیت، حق پرستی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بنا پر بار بار کرتے رہے۔ البتہ تحریک ترک موالات اور خلافت کے زمانہ میں ان کی یہ عقیدت غلو پر پہنچ گئی تھی چنانچہ انہوں نے ایک مضمون میں ان کی ستیہ گرہ کا جواز اسلام اور قرآن سے پیش کرنے کی کوشش کی اور ان کی امن و آشتی کی تعلیمات کو اسلام کے مطابق ٹھہرایا۔ چنانچہ اس غلو پر مولانا محمد علی اور سید سلیمان ندوی دونوں نے ان کو لطیف انداز میں ٹوکا۔ مولانا محمد علی نے ان کو لکھا کہ:

> ''میں نہ گاندھی کی روحانیت کا قائل ہوں نہ ان کے کشف و کرامات کا، ان کا مذہب الگ میرا مذہب الگ۔ ہاں انہیں اپنا سیاسی سردار تسلیم کرتا ہوں۔ بس میری رفاقت و اطاعت ان کے ساتھ اسی حد تک محدود ہے''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد علیؒ نے جب وہ صدر کانگریس تھے ایک بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ میں ایک فاسق و فاجر مسلمان کو مذہبی اعتبار سے گاندھی جی سے بہتر سمجھتا ہوں۔ جس پر کانگریس کا فرقہ پرست طبقہ ان سے بہت برہم ہوا تھا مگر گاندھی جی نے الٹے ان ہی کی تائید کی، بعد میں گاندھی جی سے ان کی عقیدت حد اعتدال میں آ گئی۔ ایک دفعہ مذہب کے بارے میں ان سے براہ راست گفتگو ہوئی جس میں گاندھی جی نے اپنے کو عقیدہ توحید کا ماننے والا بتایا اور حضرت محمدؐ کو مصلح اعظم قرار دیا۔ اس کے بعد گاندھی جی نے تقسیم ملک اور آزادی کے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں کی حمایت و دفاع میں جو بیانات دیئے اور دہلی کے ہولناک فسادات کے خلاف مرن برت رکھا اور آخر مسلمانوں کی ہمدردی کے جرم میں ایک فرقہ پرست جنونی ہندو ناتھورام گوڈسے کے ہاتھوں ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو ان کا قتل ہو گیا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے وہ ان کو مسلمانوں کا ہمدرد Pro Mulsim سمجھتے تھے چنانچہ ان کے حادثہ قتل پر تعزیتی مضمون ''شہید حق پرستی'' میں ان حقیقتوں کو گاندھی جی کی مدح و توصیف میں پیش کیا۔ البتہ کبھی کبھی ان کی بے محل خاموشی یا ہندو فرقہ پرستوں کی جنبہ داری پر وہ ان پر تنقید بھی کھل کر کرتے تھے۔

آپ بیتی میں اپنی سیاسی فکر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد علی کو زندگی بھر اپنا سیاسی پیشوا سمجھتا رہا ان کے فہم و اخلاص پر سو فیصدی اعتماد تھا ان کے بعد کوئی لیڈر اس پایہ کا نہ ملا، اسی لئے بعد کی کسی تحریک مسلم لیگ وغیرہ میں عملاً شریک نہ ہوا گو اعتماد بہادر یار جنگ اور چودھری خلیق الزماں پر برابر رہا''۔

کانگریس سے ان کو ہمدردی اپنے مرشد مولانا حسین احمد مدنیؒ اور اکابر جمیعۃ العلماء و دارالعلوم دیوبند کی وجہ سے تھی لیکن الیکشن وغیرہ میں نہ تو ووٹ دینے گئے اور نہ اس کے حق میں مضمون لکھے۔ کانگریزی لیڈروں میں پنڈت موتی لال نہرو، جوہر لال نہرو، سی. آر.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داس، راجگو پال اچاریہ، مظہر الحق، ابوالکلام، ڈاکٹر محمود وغیرہ سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔ مسلم لیگ سے الگ رہنے کے باوجود وہ مطالبہ پاکستان کے اصولی طور پر حامی تھے یعنی مسلم اکثریت والے علاقوں کو اپنی حکومت اسلامی خطوط کی بنا پر بنانے کا حق حاصل ہو، قیام پاکستان کے بعد اپنے ایک مضمون میں انہوں نے یہ لکھا کہ مسلمانوں کو کروڑوں کی تعداد میں ایک نقطہ پر متحد کر دینا، ان میں انتشار کی جگہ مرکزیت قائم کر دینا اور اس کے لئے ایک والہانہ جوش پیدا کر دینا، جناح صاحب کا ایسا زبردست اور بے نظیر کارنامہ ہے کہ اس کے آگے ان کی ساری ذاتی کمزوریوں سے قطع نظر کی جا سکتی ہے۔ ان کا پیش کیا نصب العین صد فی صد اسلامی نہ تھا لیکن اس سے ایک گونہ نسبت حاصل تھی، ان کو توقع تھی کہ مملکت خداداد پاکستان ایک مسلم حکومت بہر حال ہوگی جہاں شریعت اسلامیہ پر عمل کیا جائے گا، شراب نوشی، سود خوری، قمار بازی اور دیگر منکرات پر پابندی لگائی جائے گی۔ مگر جب کئی سال گزرنے کے بعد اس کے برعکس وہاں غیر اسلامی ماحول اور تکلیف دہ حالات کا ان کو اندازہ ہوا تو ان کو اپنی غلط توقعات پر افسوس ہوا اور صدق جدید میں ایک مضمون ''محاسبہ پاکستان'' میں دلی رنج کے ساتھ اپنے قلبی تاثرات لکھے۔ اسی طرح ہندوستانی مسلمانوں کو آزادی کے موقعہ پر بے سہارا چھوڑ جانے پر انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں پر کھل کر تنقید کی۔

www.KitaboSunnat.com

آزاد ہندوستان میں جب سیکولر جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی گئی تو انہوں نے یہاں کے حالات کے پیش نظر سیکولرازم کی مشروط حمایت بطور پالیسی یا حکمت عملی کے کی کہ مسلمانوں اور اقلیتوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور ان کے ملی تشخص و امتیازات کو باقی رکھا جائے گا۔ چنانچہ جب جب حکومت سے ان معاملات میں لغزش ہوئی انہوں نے بڑی جرأت سے اس پر تنقید کی اور اعلائے کلمۃ الحق کا فرض انجام دیا انہی مسئلوں پر ان سے اور حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ سے بڑا اختلاف رہا۔ انصاری صاحب جو قومی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریئے کے سخت مخالف اور سیکولرازم کے غالی پرستار تھے ان کے خیال میں تقسیم ملک کی ذمہ داری تمام تر مسلم لیگ پر تھی اور اس کے جو لیڈر یہاں رہ گئے تھے ان پر برابر طنز و تعریض کیا کرتے تھے۔ مولانا کے خلاف انہوں نے کئی لمبے لمبے اداریئے لکھے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مولانا اور ان کے اخبار صدق اور صدق جدید ہندوستان کے مخالف ہیں۔ مولانا اپنے مخصوص منطقی مگر شگفتہ انداز میں ان کے اعتراضات کا معقول جواب دیتے رہے۔ یہ باہمی نوک جھونک دلچسپ ہونے کے ساتھ بڑی ادبی چاشنی رکھتی ہے۔ کئی کئی کالم کے اداریوں کے جواب میں چند سطری مختصر شذرے اور کبھی کبھی حسب حال برجستہ کوئی مصرعہ یا شعر کہیں زیادہ بھاری اور مؤثر ثابت ہوتا تھا۔ جہاں تک وطن سے محبت کا سوال تھا مولانا کا موقف بالکل واضح تھا کہ ملک اور وطن کے بڑے حق ہوتے ہیں مگر غیر مشروط وفاداری مسلمان صرف اپنے خالق اور پروردگار ہی کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ مذہب اور عقیدہ سب سے ضروری اور بلند ہوتا ہے اور اصولی طور پر اس کا ٹکراؤ وطن پروری سے نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کبھی اور کہیں یہ ٹکراؤ نہ ٹل سکے تو مسلمان کو بدرجہ مجبوری وطن کو چھوڑنا ہوگا۔ اس لحاظ سے مولانا کا استدلال وہی تھا جو مولانا ابوالکلام آزاد نے بحیثیت صدر کانگریس اپنے ایک خطبہ صدارت میں پیش کیا تھا۔ اس طرح وہ ایک پختہ مسلمان اور سچے قوم پرور ہندوستانی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے باوجود متعدد داعیوں کے پاکستان جانے کا کبھی ارادہ نہیں کیا اور ثابت قدمی سے ہندوستان میں جمے رہے۔ اپنے ہفتہ وار صدق اور صدق جدید میں وہ برابر اس موضوع پر ہمت اور جرأت سے لکھتے رہے اور ہندوستانی مسلمانوں کو ڈھارس اور سہارا دیتے رہے۔ اپنے ایک دلچسپ مضمون کی سرخی انہوں نے اس طرح دی ''میں پاکستان کیوں جانا چاہتا ہوں'' اور اس میں یہ واضح کیا کہ وہ پاکستان جانے کے خواہشمند اس لئے ہیں کہ وہاں ان کے اعزہ و اقارب اور دوستوں کی بڑی تعداد ہے پھر اسی نئی مملکت میں ملک و ملت کی خدمت کے زیادہ بہتر مواقع ہیں۔ پھر اس کے جواب میں دوسرا مضمون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عنوان سے لکھا ''تو پھر پاکستان کیوں نہیں چلا جاتا''، اس میں دلیل وطن کی محبت، یہاں کے تہذیبی، علمی و ادبی ورثہ سے جذباتی و طبعی تعلق کی پیش کی۔ ان کا کہنا تھا کہ تقسیم جتنی افسوسناک اور تکلیف دہ رہی ہو اب ہندوستان اور پاکستان دونوں کو اچھے پڑوسیوں اور بھائیوں کی طرح صلح و آشتی سے رہنا چاہیئے۔ انہوں نے بار بار اپنے مضامین اور خطوں میں اپنی ان خواہشوں کا اظہار کیا کہ دونوں ملکوں میں آمد و رفت، ڈاک و تجارت، خیر سگالی اور دوستی کو ہر ممکن طریقہ سے فروغ دینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں اخبار میں لکھنے کے ساتھ ہی وہ ممالک کے نجی طریقوں سے دونوں اعلیٰ ذمہ داروں سے یہی درخواست کرتے رہے۔ انہوں نے دو دفعہ پاکستان کا سفر بھی کیا، پہلی دفعہ وہاں کے گورنر جنرل ملک غلام محمد، جن سے ان کے قیام لکھنؤ کے زمانہ میں دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے، کی دعوت پر ۱۹۵۵ء میں ڈھائی ہفتہ کے لئے گئے اور اس کی دلچسپ روداد اپنے سفرنامہ ''ڈھائی ہفتہ پاکستان میں'' یا ''مبارک سفر'' میں لکھی، یہ سفر تمام تر نجی تھا۔ دوسرا سفر ۱۹۵۸ء میں لاہور میں منعقد ہوئے اسلامی مذاکرہ میں بحیثیت صدر ہندوستانی وفد کے کیا۔

حکومت ہند اور ریاستی حکومت کے اعلیٰ ذمہ دار ہمیشہ مولانا کا احترام کرتے رہے اور انہوں نے ان کی نکتہ چینی سے کبھی کوئی غلط اثر نہیں لیا۔ البتہ ریاستی محکمہ اطلاعات کے کچھ افسروں اور اہلکاروں کو صدق اور صدق جدید کی روش پسند نہ تھی اور وقتاً فوقتاً وہ اپنی ناراضگی ظاہر بھی کیا کرتے تھے، لیکن مولانا چونکہ ملکی قانون اور ضوابط کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی اور ''آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی'' پر عمل کرتے رہے۔

ان کو آخر دم تک اس کا افسوس رہا کہ آزادی کے بعد ہندوستان نے گاندھی جی کی تعلیمات کو بھلا دیا اور ملک میں بددیانتی، تعصب، فرقہ پرستی، رشوت، کام چوری اور لادینی کا ناخوشگوار ماحول پیدا ہو گیا۔ وہ بار بار اپنی تحریروں میں گاندھی جی کے اصولوں اور نصیحتوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو دہراتے رہے۔ ذاتی طور پر وہ جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی اور لال بہادر شاستری کی شرافت کے قائل تھے مگر اقلیتوں اور اردو کے ساتھ جو مسلسل ناانصافی حکومت کی طرف سے ہوتی رہی اس کے خلاف وہ برابر احتجاج کرتے رہے۔ وہ ملک کے گنگا جمنی کلچر، مشرقی اقدار اور اردو کے پرستاروں میں تھے اور جب بھی ان پر کہیں سے جارحانہ حملہ ہوتا تو وہ ان کا دفاع بڑے زوردار طریقہ پر کرتے۔

تلاش مرشد اور بیعت وارادت

مذہب کی طرف مراجعت کے بعد مولانا نے عربی اور علوم اسلامیہ کے مطالعہ کی طرف توجہ کی، دینی واخلاقی کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے بزرگوں کی صحبت اور رواجی تصوف کی طرف توجہ کی چنانچہ کئی سال تک مختلف مزارات پر حاضری، عرس اور قوالی کی محفلوں میں شرکت کا سلسلہ رہا۔ ایک عرصہ تک حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں چلّہ کشی کی اور خواجہ حسن نظامی صاحب نے سیر چشمی سے ان کی میزبانی کی، پھر بھی کسی صاحب دل بزرگ کو اپنا مرشد معنوی بنانے کی بھی ضرورت محسوس کی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد سفر کئے، چنانچہ اس بارے میں انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''حکیم الامت: نقوش وتاثرات'' میں لکھا ہے

> ''مرشد کی تلاش ایک عرصہ سے جاری تھی تصوف اور سلوک کا ذخیرہ جتنا کچھ بھی فارسی اور اردو اور ایک حد تک عربی میں ہاتھ لگ چکا تھا پڑھ لیا تھا، اتنی کتابیں پڑھ ڈالنے اور اتنے ملفوظات چاٹ ڈالنے کے بعد اب آرزو اگر تھی تو ایک زندہ بزرگ کی، حیدر آباد، دہلی، اجمیر، پیران کلیر، صفی پور، بانسہ، دیوہ اور ردولی کے چھوٹے بڑے آستانے خدا معلوم کتنے دیکھ ڈالے اور سن گن جہاں کہیں بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی بزرگ کی پائی حاضری میں دیر نہ لگائی حال والے بھی دیکھنے میں آئے اور قال والے بھی۔ اچھے اچھے عابد، زاہد مرتاض بھی اور بعض دوکاندار قسم کے گیسو دراز بھی۔ آخر فیصلہ یہ کیا کہ حق حلقہ دیوبند میں محصور ہے، اب تفصیلی جائزہ اسی کے کسی تربیت یافتہ کا لے کر اس کا دامن تھامیئے''۔

۱۹۲۷ء میں مولانا کے ایک دوست جو ایک اچھے شاعر اور ادیب بھی تھے وصل بلگرامی نے ان کو مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ دیئے اور ان کو پڑھنے کے لئے اصرار کیا۔ اس وقت تک وہ مولانا تھانوی کے بارے میں زیادہ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے خاص طور پر تحریک خلافت کی مخالفت کی وجہ سے ان کو محض ایک فقیہ اور ظاہری عالم سمجھتے تھے، مگر مواعظ کے پڑھنے سے وہ متاثر ہوئے اور انہوں نے مولانا تھانوی سے مراسلت شروع کی اور ان سے نیاز حاصل کرنے اپنے رفیق مولوی عبدالباری ندوی کے ساتھ تھانہ بھون پہنچے۔ پہلی ملاقات خوشگوار رہی اور پھر طویل نشستیں ان کی صحبت میں گذریں، مولانا تھانوی کے مشورے بلکہ ان کے مواجہ میں انہوں نے اور مولوی عبدالباری نے مولانا حسین احمد مدنی صاحب سے بیعت کی جن سے ان کو بخوبی واقفیت خلافت کانفرنس اور جمیعۃ العلماء کی وجہ سے تھی۔

بیعت تو انہوں نے مولانا مدنی سے کر لی لیکن رفتہ رفتہ ان کا مرکز عقیدت تھانہ بھون بنتا چلا گیا اور مولانا تھانوی ان کے محبوب مقتدا اور روحانی پیشوا بن گئے، چنانچہ ان کی شخصیت اور زندگی پر مولانا تھانوی کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ بار بار تھانہ بھون جا کر قیام کرتے اور مولانا کی تربیت حاصل کرتے، کثرت سے انہیں خط لکھتے اور ہر معاملہ میں ان سے رہنمائی طلب کرتے۔ مولانا تھانوی سے ان کے عشق وعقیدت کا اندازہ ان کی بے مثل کتاب ''حکیم الامت: نقوش وتاثرات'' کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ مولانا ان کو اپنے لئے افلاطون و جالینوس سمجھتے تھے۔ ان سے گہرے تعلقات ان کے انتقال ۱۹۴۱ء یعنی تقریبا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴-۱۵ سال رہے۔ اپنی آپ بیتی، مضامین اور ریڈیو کے نشریوں میں بار بار مولانا نے ان کو اپنا محبوب پیشوا تسلیم کیا اور ان کے اس احسان پر اظہار تشکر کیا کہ ان کی تربیت وحکیمانہ مشورہ کی وجہ سے ان کی زندگی بن گئی، اعتدال، توازن، اچھے اخلاق اور شریعت کی پابندی کی نعمتیں ملیں، کلام مجید کے انگریزی اور اردو ترجمہ وتفسیر کے کام میں بڑی مدد ملی۔ ضابطہ سے تو وہ آخر تک مرید مولانا حسین احمد مدنی کے رہے لیکن ان کی سیاسی مصروفیات اور بہت سے معاملات میں اختلاف رائے کی وجہ سے پیری مریدی کا رشتہ زیادہ نہ بڑھ سکا۔ مرشد کے معاملے میں بھی ان کا موقف بالکل واضح تھا یعنی وہ کسی بھی بزرگ کو معصوم عن الخطا نہیں سمجھتے تھے اور اسی لئے ہر ایک کو بیعت کرنے کا مشورہ نہیں دیتے تھے۔

لباس، سراپا، عادات ومعمولات

قیام لکھنؤ کے دوران مولانا انگریزی لباس زیب تن کیا کرتے تھے اور جوانی میں اپنی خوش مذاقی کے لئے مشہور تھے۔ ۱۹۲۱ء سے کھدر پوش ہو گئے اور انگریزی لباس ترک کر کے کھدر کے کرتے پاجامے، رنگین عبا، کپڑے کا گلوبند پہننے لگے، سر پر کھدر کی اونچی کشتی نما ٹوپی ہوتی تھی اور پیر میں چپل۔ ان کی سرخ وسپید رنگت، اونچے قد گول اور نورانی سفید داڑھی کا ذکر مختلف لوگوں نے اپنے خاکوں اور تحریروں میں کیا ہے۔

ان کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی مخصوص عادات، میلانات اور معمولات کا ذکر کیا جائے۔ وہ تقریر کے نہیں تحریر کے آدمی تھے، ان کے مزاج میں صاف گوئی، کسی قدر اکل کھرا پن، انضباط وقت میں رسوخ، سکون پسندی، وسعت اور رواداری، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی، اسلامی حمیت اور علم وعمل کی خوش امتزاجی پائی جاتی تھی، جس کی شہادت مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولوی عبدالباری ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا منظور نعمانی، رئیس احمد جعفری، احمد جمال پاشا وغیرہ متعدد حضرات نے دی ہے۔ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی متوازن زندگی، طریق مہمان نوازی اور پابندی وقت کے متعلق مولانا علی میاںؒ لکھتے ہیں:

"..... یہاں پر ذکر کرتا چلوں کہ تھانہ بھون مولانا کی ذہنی اور قلبی عقیدت کا سب سے بڑا مرکز تھا، مولانا تھانوی کے خلفاء اور مسترشدین بہت تھے لیکن انضباط وقت اور تنظیم کار کا جیسا نمونہ مولانا کے یہاں دریاباد میں دیکھا مشکل سے کہیں اور پایا اور یہی راز مولانا دریابادی کے اتنے مختلف النوع بلکہ متضاد کاموں کو کامیابی وخوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کا ہے"۔

مولانا کے یہاں دن بڑے تڑکے شروع ہوجاتا، تہجد کے بعد ضروریات سے فارغ ہوکر تھوڑی ورزش کرتے اور پھر لمبی چہل قدمی پر نکل جاتے، سپیدہ سحری نمودار ہونے کے بعد نماز فجر باجماعت پڑھتے، تلاوت کے بعد ناشتہ کرتے، قبض کے نامراد مرض کی بنا پر صبح کئی پیالیاں چائے کی پیتے تھے، اس کے بعد مطالعہ شروع ہوجاتا۔ تھوڑی دیر کے لئے لڑکیاں سلام کرنے آتیں ان سے کچھ گھریلو اور پڑھنے لکھنے کی باتیں، پھر ضروری خطوط اور اپنے ہفتہ وار اخبار کے لئے مضامین لکھتے، اسی درمیان اشراق وچاشت کی نماز پڑھ کر بالا خانے سے اتر کر چند منٹ زنان خانے میں جاتے جہاں بیوی اور لڑکیوں سے ہلکی پھلکی گفتگو کرکے اپنے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں چلے جاتے جہاں سکون سے کلام مجید کے ترجمہ وتفسیر یا دوسرے تصنیفی کاموں میں ظہر کی نماز تک مصروف رہتے، کبھی کبھی چند منٹ کے لئے آرام کرسی پر آنکھیں بند کرکے لیٹ جاتے، نماز ظہر کے بعد ناشتہ (بجائے کھانے) کرتے جس میں موسمی، پھل بسکٹ اور ہلکی گھریلو چیزیں ہوتی تھیں۔ اس کے بعد ڈاک آجاتی جس میں خطوط، اخبارات اور رسائل بڑی تعداد میں ہوتے۔ کچھ اخباروں کی سرخیوں اور اہم خبروں پر نظر ڈال لیتے، کام کی چیزوں پر نشان لگاتے، عصر کی نماز کے بعد سے مغرب تک کا وقت عام نشست کا تھا جس میں ان کے پرانے مخلص مولوی نقی خاں جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصبہ کے پرائمری اسکول میں مدرس تھے، کچھ اعزّہ اور قصبہ کے لوگ آتے۔ اس نشست میں علم وادب، ہنسی مزاق، ملک وقصبہ کے حالات وغیرہ پر گفتگو رہتی، مولانا نپے تلے انداز میں لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے، ان کے شکوک کو رفع کرتے، دوسروں کی باتیں سنتے اور جو موضوع ان کے دائرے سے باہر ہوتا مثلاً کاشت کاری، تعمیر اور اس بارے میں معلومات حاصل کر کے بہت خوش ہوتے، کبھی کبھی کوئی صاحب علم یا نامور شخصیت بھی ان سے ملنے دریاباد آجاتی مثلاً مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا منظور نعمانی، مولوی عبدالباری ندوی، شاہ معین الدین احمد، ڈاکٹر ذاکر حسین، مولوی مسعود علی وغیرہ۔ اس وقت کی یہ نشستیں بڑی دلچسپ ہوجاتیں، مگر ان محفلوں میں نہ تو کسی کی غیبت ہوتی، نہ کسی کا مزاق اڑایا جاتا اور نہ کسی قسم کی فضول باتیں ہوتی تھیں۔ اپنے عزیزوں اور ملنے والوں کے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت سے مرحوم کو خاص دلچسپی ہوتی، چنانچہ راقم اور اس کے بھائیوں کے علاوہ متعدد لڑکے اور لڑکیاں ان کی تربیت میں رہے۔ وہ ان سے ہر قسم کی باتیں بے تکلفی اور صفائی سے کرتے۔ خاکسار کو اس تربیت پر فخر ہے جس نے اس کو کتنی پستیوں اور برائیوں سے بچایا۔ چھٹیوں میں ہم لوگوں سے الگ الگ ملاقات کے لئے اپنا وقت عزیز نکالتے اور تحریر وتقریر کے ذریعہ مشفقانہ کارآمد نصیحتیں کرتے جن کی قدر آج قدم قدم پر ہوتی ہے۔

مغرب کی نماز کے معاً بعد کھانا کھالیتے اور تھوڑی چہل قدمی کے بعد زنان خانے میں جاتے اور عشا کے وقت بیوی بچوں اور دیگر عزیزوں کے ساتھ بات چیت کرتے، عشا کے بعد تھوڑی دیر اپنے بھتیجوں سے اگر وہ دریاباد میں ہوتے گفتگو کرتے نیز اپنی بیوی سے اور اس کے بعد جلد ہی سونے چلے جاتے۔

لکھنؤ کے زمانہ قیام میں بھی وہ حتی الامکان اسی دستورالعمل پر عمل کرنے کی کوشش کرتے گو بہت دفعہ اس میں کامیابی نہ ہوتی، عزیز اقارب، دوستوں سے ملنے، ندوہ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرکاری کمیٹیوں میں شرکت کے لئے جاتے، مولانا صبغۃ اللہ صاحب فرنگی محلی، مولانا علی میاں، مولانا اویس نگرامی اور جو حضرات ملنا چاہتے وہ پہلے سے وقت مقرر کر کے مولانا کی قیام گاہ خاتون منزل میں آجاتے۔ قیام لکھنؤ میں تضیع اوقات اور ضروری کاموں میں ہرج کی شکایت بھی برابر کرتے تھے۔

بچپن میں ان کے مزاج میں غصّہ اور کچھ سختی پائی جاتی تھی جس کا اظہار اکثر ملازمین، جو خوشحالی اور رواج کی بنا پر متعدد ہوتے تھے، ہوا کرتا تھا۔ والدہ اکثر ٹوکتی تھیں مگر یہ سلسلہ جاری رہا جس کا احساس خود ان کو بھی مذہب کی طرف واپس آنے کے بعد ہوا۔ چنانچہ بار بار مولانا تھانوی کی خدمت میں اپنے اس لاعلاج مرض کا ذکر کیا۔ اس بارے میں لکھتے ہیں: ''امراض پوشیدہ وظاہر تو خدا معلوم تعداد میں کتنے تھے لیکن غصہ کا مرض سب سے زیادہ بے پناہ اور لاعلاج نظر آیا۔ ڈیڑھ صفحہ کا عریضہ اپنے بے جا غصہ کا کچھ چٹھا خصوصاً اپنے ملازموں پر لکھ بھیجا کہ چند منٹ بعد جب سکون ہو جاتا ہے تو اپنے اوپر خوب ملامت کرتا ہوں طرح طرح کی غیرت دلاتا ہوں کہ نفس کی اس فریبی کے ساتھ اور اسی ظرف پر مفسّر قرآن بننے کے حوصلے ہیں؟ بزرگوں کے بھلا یہ طریقے رہے ہیں؟ اپنے خادموں کے ساتھ حضورؐ کا کیا برتاؤ تھا؟ غلاموں پر سختی کے لئے کیا وعیدیں آئی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت کے ہاں سے جواب وہی مرحمت ہوا جس کی توقع حکیم الامت ہی سے کی جاسکتی تھی، ''بیماری کا علاج بیمار کیا کرے، میں خود اس مرض میں مبتلا ہوں، لیکن اگر ایک بیمار کو کوئی نسخہ یاد ہو خواہ وہ خود عمل نہ کرے پھر بھی دوسروں کو بتلا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں''، چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ جن ملازموں پر غصہ یا سختی کی جائے اس کی تلافی مالی طریقہ پر، خوش خلقی سے کی جائے اور اپنے بے جا رویہ کی حتی الامکان معذرت کی جائے، رفتہ رفتہ اس مرض میں خاصی کمی ہوگئی، مگر وہ اکثر اس کا ذکر رنج و افسوس کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی وصیت میں لکھ گئے کہ جو لوگ ان کی زیادتیوں کا شکار رہے اور اب بھی موجود ہوں ان کی خدمت میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالی نذرانہ پیش کیا جائے اور ان سے معافی کی درخواست کی جائے۔

مولانا کے مزاج میں جذباتیت اور تھوڑی سی شدت پسندی تھی جن پر بعد میں انہوں نے بڑی حد تک قابو پالیا تھا مگر اسی کے ساتھ ان میں رجائیت، وسیع القلبی، رواداری اور حقیقت پسندی کے ساتھ توازن و اعتدال پایا جاتا تھا۔ مولانا علی میاںؒ نے اس بارے میں لکھا ''وہ نفسیات کے ماہر تھے مگر ان پر اچھی خاصی جذباتیت غالب تھی لیکن رجائیت کا پہلو زیادہ نمایاں رہتا تھا۔ بعض مشاہیر کے قابل تنقید رویہ کی تاویل ان کے کسی اچھے اور قابل مدح فعل سے کر کے اور ان کی غلطیوں سے صرف نظر کر لیتے''۔ وہ روایتی علماء کی طرح اندھی تقلید یا جمود پرستی کے قائل نہ تھے۔ دانش حاضر کو حجاب اکبر سمجھتے تھے مگر اس کی علمی افادیت کو تسلیم کرتے تھے اور سائنس و روشن خیالی کے حقائق کے منکر نہ تھے۔ اسی لئے وہ ملک وملت کی فلاح و بہتری کے لئے دیوبند، ندوۃ العلماء اور مسلم یونیورسٹی تینوں کے وجود کو ضروری اور مفید سمجھتے تھے۔ جو لوگ ان کو روایتی قسم کا متشدد مولوی یا کٹھ ملا سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان کے مسلک میں توسع اور رواداری تھی اور وہ جمود اور بے قید آزادی دونوں کے خلاف تھے۔

مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے اور رجحان دیوبندی خیالات کی طرف تھا، لیکن دوسرے مسلکوں کے ساتھ توسع اور رواداری برتتے تھے یہاں تک کہ جن فرقوں کو گمراہ سمجھا جاتا ہے مثلاً احمدی، قادیانی، شیعہ یا بوہرہ ان کی بعض خوبیوں اور قوت عمل کی داد دینے میں بخل نہ کرتے تھے اور اتحاد بین المسلمین کے دل سے خواہاں تھے۔ مخالفت صرف اصولی بنا پر کرتے، ذاتی و شخصی تعریض و استہزاء سے متنفر رہتے تھے۔ ان کا عمل ما قال پر رہتا تھا نہ کہ من قال پر۔ ان کے دوست، مخلص اور عقیدت مند بہت تھے اور مخالف بھی اچھے خاصے تھے لیکن وہ تحزب یا عصبیت سے کوسوں دور رہتے تھے۔ نجی محفلوں اور بے تکلف دوستوں اور عزیزوں میں خوب باتیں کرتے، بذلہ سنجی، بے ضرر ظرافت موقع کی مناسبت سے برجستہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشعار و مصرعوں کے استعمال میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔

ان کی ان خوبیوں نے بہت لوگوں کو متاثر کیا۔ جو لوگ ان کو زاہد خشک یا روایتی قسم کا مولوی سمجھتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہیں کیونکہ وہ ہنستے بولتے، معاشرتی و اجتماعی تقریبات میں شریک ہوتے، جلسوں اور پبلک اجتماعات میں جانے سے گریز کرتے مگر ان کے لئے پیام بھیجنے میں بخل نہ کرتے تھے۔ تحریروں میں ان کی شوخی، بذلہ سنجی اور صاف ستھری ظرافت جھلکتی تھی جن کہ وجہ سے ان میں بلا کی شگفتگی اور دلآویزی پیدا ہو جاتی تھی۔ لکھنؤ میں ان کا قیام خاتون منزل، حیدر مرزا روڈ، لکھنؤ میں ہوتا تھا، یہ عمارت ایک تاریخی اہمیت اس لئے رکھتی ہے کہ اسی عمارت میں کئی سال تک ندوۃ العلماء رہا، مولانا شبلی، مولانا ابوالکلام آزاد اور اس وقت کی مقتدر مسلمان شخصیتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس کے بعد اس کو مولانا کی حقیقی خالہ زاد بہن نے خرید لیا اور اپنے ساتھ مولانا اور ان کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب کو رکھا۔ مولانا جب دریاباد منتقل ہو گئے اس کے بعد بھی بڑی کثرت سے لکھنؤ آتے رہے اور بعض دفعہ تو کئی ہفتہ قیام کرتے مگر اس کے لئے پورا انتظام خصوصاً ڈاک اور نظم اوقات کا کرتے، تاکہ ان کے مستقل کاموں میں خلل نہ پڑے۔ گو ان تمام انتظامات کے باوجود ان کا پروگرام پورے طور پر نہ چل پاتا خاص کر ناوقت لوگوں کے آنے جانے یا مختلف وجوہ سے تضیع اوقات کی وجہ سے جس کا ذکر وہ افسوس کے ساتھ کرتے۔ دریاباد کی پرسکون زندگی ان کو اس لئے پسند تھی کہ وہاں وقت پورے طور پر ان کا تھا اور ہر کام مشینی طریقہ پر ہوتا تھا۔ یہی وجہ سے کہ وہ مختلف قسم کے کام بطریق احسن انجام دے دیتے تھے جس پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ تصنیف و تالیف اور عبادات کے علاوہ مولانا کو اصلاح معاشرت سے بڑی دلچسپی تھی چنانچہ وقت نکال کر اپنے نوعمر عزیزوں، ملنے والوں کو اچھی باتوں کی تعلیم دیتے ان کے شکوک و شبہات کو دور کرتے۔ خوش قسمتی سے راقم السطور کو اس حکیمانہ تربیت حاصل کرنے کی نعمت حاصل ہوئی اور وہ پوری ذمہ داری سے یہ شہادت دیتا ہے کہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقہ سے بہتوں کی زندگی سدھر گئی۔ اپنے ہفتہ وار اخبار صدق میں پابندی سے ایک کالم وہ مشورے اور گزارشیں لکھا کرتے جس میں لوگوں کے مسائل کا حل ہمدردی سے غور کر کے بتاتے اور اپنے تجربہ کی روشنی میں ان کو کارآمد مشورے دیتے۔ فرماتے تھے کہ میں کوئی مصلح یا معلم اخلاق نہیں ہوں بلکہ میری حیثیت صرف ایک پرانے مریض کی ہے جو اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں فائدہ کی کچھ باتیں دوسروں کو بتا تا رہتا ہے۔ اپنے خاندان کے لڑکوں لڑکیوں سے ہر معاملہ میں بے تکلفی سے گفتگو کرتے اور ان کو مفید مشورے دیتے۔ یہ کام ملاقات کے علاوہ وہ مراسلت سے بھی انجام دیتے۔ اس معاملہ میں وہ مسلم یا غیر مسلم، قریب اور دور کی عزیز داری کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے مختلف معاملات میں رجوع کرتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک دفعہ دریا باد میں کچھ مسلمان نوجوانوں کے خلاف وہاں کی غیر مسلم آبادی کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ وہ ان کی لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور ان پر آوازیں کستے ہیں۔ مولانا کو جیسے ہی معلوم ہوا انہوں نے ان نوجوانوں اور ان کے گھر والوں سے رابطہ قائم کیا اور ان غیر اخلاقی حرکتوں پر بڑی غیرت دلائی اور لڑکوں سے وعدہ لیا کہ وہ آئندہ ایسی کوئی بات نہ کریں گے، پھر انہوں نے قصبہ کے سرکردہ غیر مسلموں سے مل کر انہیں یقین دلایا کہ اب انہیں شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ اس موقع پر انہوں نے ہمسایوں کے حقوق اور مسلمانوں کے فرائض کے بارے میں ایک مختصر مؤثر تقریر بھی کی جس کا بڑا اچھا اثر پڑا۔

اپنی بے پناہ مشغولیتوں کے باوجود وہ اعزہ، اقارب اور دوستوں سے ملنے جلنے کے لئے وقت نکالتے اور اس کو ایک قسم کی عبادت سمجھتے۔ زندوں کے ساتھ مُردوں کو بھی یاد رکھتے اور فاتحہ پڑھنے لکھنؤ، دہلی، حیدرآباد وغیرہ کے قبرستانوں میں جاتے اور سفر کے دوران اس کام کو بھی اہم سمجھ کر اس کے لئے وقت نکالتے۔

پبلک تقریبوں اور جلسوں میں شرکت سے گریز کرتے تھے لیکن ندوۃ العلماء دار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المصنفین، مسلم یونیورسٹی، حج کمیٹی ہندوستانی اکیڈمی، اردو اکیڈمی، ریڈیو ایڈوائزری کمیٹی کے جلسوں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ خاص کر اردو کی بقا اور عزت کے لئے ان کمیٹیوں میں ضرور جاتے اور دوسرے ممبروں کو بھی ترغیب دیتے۔

عہد حاضر کے فتنوں سے بخوبی آگاہ تھے اور برابر اپنے کو ان کے معاند اور مضر اثرات کے بارے میں Up to date رکھتے اور اپنے اخباروں، مضامین، خطوط اور نجی گفتگو میں ان کی تشریح و وضاحت کرتے اور ان کو روکنے کی تدابیر بتاتے، چنانچہ سیمنار، ریڈیو، مخلوط تعلیم، سیکولر دشمن پالیسیوں، تعصب و تحزب کے سلسلہ میں ان کا ذہن ہمیشہ صاف رہتا تھا اور وہ جرأت و ہوشمندی سے ان کا مقابلہ کرتے تھے اور اس کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرتے تھے، اسی طرح مذہب دشمن، بے حیائی اور فحاشی پھیلانے والے عناصر کے خلاف وہ ہمیشہ لڑتے رہے اور ان کے ہفتہ وار اخبارات کا سب سے نمایاں کارنامہ احتساب اور حق گوئی تھا۔ البتہ وہ ضابطوں اور قانون کا پورا لحاظ رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ برطانوی عہد اور آزادی کے بعد بھی وہ کبھی قانون کی زد میں نہ آئے گو کچھ متعصب ارباب اقتدار نے کوشش کی۔ مسلم اقلیت اردو اور مشرقی اقدار کے خلاف ہر بے انصافی کا وہ بے خوفی سے مقابلہ کرتے اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد، ملت اسلامی کے مسلکی اتحاد اور معاشرتی و تعلیمی فلاح و بہبود کے زبردست داعی اور پیروکار تھے اور ان کو داخل عبادت سمجھتے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ روایتی اور جمود پسند طبقۂ علماء سے بالکل الگ تھے اور اعتدال و توازن سے متصف تھے۔ چنانچہ نہ تو وہ ہر قدیم چیز کو تقدس کا درجہ دیتے اور نہ ہر ماڈرن نئی چیز کو قابل قدر سمجھتے اور ان کے مزاج میں بلا کی حقیقت پسندی تھی اور وہ بیجا جوش و خروش اور غلو کو انفرادی و اجتماعی ہر پہلو سے برا اور مضر قرار دیتے تھے۔ اپنے معاصرین اور ملنے والوں سے جہاں تک ممکن ہوتا اچھے تعلقات رکھتے اور ان پر کسی قسم کے شخصی یا ذاتی حملوں کے قریب نہ جاتے یہی وجہ تھی کہ ان کے دوستوں، مخلصوں، معتقدوں اور مریدوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعداد بہت بڑی تھی جن کا تعلق مختلف طبقوں سے تھا ان میں اچھی خاصی تعداد غیر مسلموں کی تھی۔ اس کے مقابلہ میں ان کے ذاتی مخالف اور معاند گنے چنے تھے مگر وہ ان کے بارے میں عام طور پر سکوت ہی کو ترجیح دیتے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی صحبت میں رہ کر یہ وصف ان میں بہت بڑھ گیا تھا اور اپنے خلاف ذاتی بے بنیاد حملوں کو بڑے ظرف سے برداشت کرتے تھے۔

خودداری اور عزت نفس کا خیال، تواضع اور خاکساری میں ان کا درجہ بہت بڑھا ہوا تھا اور وہ اصولوں پر کسی قیمت کے لئے مفاہمت پر تیار نہیں ہوتے تھے۔

سفر

مولانا کو بچپن ہی سے سفر کا شوق تھا چنانچہ آپ بیتی میں لکھتے ہیں ''ہر چھوٹے بڑے سفر کی کتنی خوشی ہوتی تھی اور سفر کا دن گویا جشن کا دن ہوتا تھا''۔ اپنے مرحوم والد کے ساتھ متعدد شہر لکھنؤ، گورکھپور، سیتا پور، لکھیم پور اور قصبات اور دیہات دیکھ ڈالے تھے۔ تعلیم کے زمانے میں لکھنؤ، نینی تال، شملہ، کلکتہ، حیدر آباد جانا ہوا، مذہب کی طرف واپسی کے بعد زندہ بزرگوں یا مزاروں کی زیارت کے لئے اجمیر، پیران کلیر، صفی پور، ردولی، تھانہ بھون، دیو بند، دیوہ، بھوپال، بالہ وغیرہ کی حاضری ہوتی رہی نیز عزیزوں اور دوستوں سے ملنے کے لئے بانسہ، پٹنہ، مراد آباد، ہردوئی، سہارن پور، اورنگ آباد، لاہور، کراچی، پیشاور، پھلواری شریف، بھوپال، بمبئی، کلکتہ، بھیارہ، مسولی، رسولی، گدیہ، رائے بریلی وغیرہ نہ معلوم کتنی جگہوں پر جانا ہوا، مولانا محمد علی کے ساتھ مختلف جگہوں پر گئے، لکچر دینے بمبئی اور مدراس گئے، پاکستان کا پہلا سفر اپریل ۱۹۵۵ء میں گورنر جنرل پاکستان کی دعوت پر ہوا اور قیام ڈھائی ہفتہ رہا۔ دوسرا سفر اسلامی مذاکرہ لاہور میں ہندوستانی وفد کے صدر کی حیثیت سے ۱۹۵۸ء میں ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میزبان خدا کے فضل سے بڑے اچھے اور خاطر کرنے والے ملے۔ جن میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان، ڈاکٹر ذاکر حسین، صدر و نائب صدر و گورنر بہار، افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی، کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے مخیّر حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اپنے سفروں کی روداد مولانا اپنے ہفتہ وار اخبارات میں پابندی سے لکھتے رہتے تھے چنانچہ سفر حجاز، ڈھائی ہفتہ پاکستان میں، اور سیاحت ماجدی یا گیارہ سفر کے نام سے تین مستقل سفرنامے شائع ہو چکے ہیں جن کی ادبیت اور شگفتگی مسلّمہ ہے۔ دوران سفر اپنے معمولات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے، جہاں جاتے وہاں کے کتب خانے یا کتب فروشوں کی دکانیں یا صاحب علم حضرات ان کی خاص کشش و دلچسپی کا باعث ہوتے۔ سفر سے حاصل کردہ تجربوں کی افادیت کے وہ بڑے قائل تھے اور اس کا اظہار زبانی گفتگو اور تحریروں میں برابر کرتے رہے۔ سفر میں ظاہر ہے کام کا خاصا ہرج ہو جاتا تھا چنانچہ اس کے لئے بہت پہلے تیاری شروع کر دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کے لئے کم سے کم دو ڈھائی ہفتہ کا نوٹس مل جائے۔

معاشی حالت

انہوں نے آنکھ ایک خوشحال گھرانے میں کھولی اور والد کے انتقال تک کوئی مالی پریشانی نہیں اٹھائی، تعلیم ختم کرنے کے بعد معاش کی فکر ہوئی، کئی جگہ ملازمت کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی، تھوڑی بہت آمدنی مضامین اور ترجموں سے ہوتی رہی اس سلسلہ میں مولانا شبلی اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اردو نے ان کی بڑی دستگیری کی۔ تھوڑی بہت یافت کتابوں کی فروخت سے ہو جاتی تھی۔ بڑے بھائی اور بہنوئی بھی مالی مدد کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۱۶ء میں مسلم کانفرنس علی گڑھ میں لٹریری اسسٹنٹ کی جگہ مل گئی اور اسی سال پسند کی شادی بھی خاصے امیر گھرانے میں ہوگئی۔ علی گڑھ میں طبیعت نہ لگی اس لئے واپس لکھنؤ آ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ وتصنیف کے کام میں لگ گئے۔ تھوڑے دن بعد حیدرآباد کے سررشتہ تالیف وترجمہ میں بطور مترجم کے تین سو روپیہ ماہوار پر تقرر ہوگیا، جہاں تقریباً ایک سال تک رہے مگر ملازمت کی پابندیوں سے گھبرا کر استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۱۹ء میں علمی وظیفہ کے لئے نظام حیدر آباد کے پاس درخواست بھیجی وہاں سے طلبی آنے پر نظام حیدرآباد سے براہ راست گفتگو ہوئی اور انہوں نے ایک تصنیفی یا علمی پنشن سوا سو روپیہ ماہوار کی مقرر کردی۔ اس طرح اللہ نے گھر بیٹھے تصنیف وتالیف کے ذریعہ مستقل آمدنی کی صورت نکال دی، یہ وظیفہ بعد میں بڑھ کر دوسو روپیہ ماہوار ہوگیا تھا اور آخر زندگی تک مولانا کو ملتا رہا۔ البتہ پولیس ایکشن کے بعد کئی ماہ تک بند رہا۔ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند کی مداخلت پر جاری ہوگیا۔ اگست ۱۹۶۲ء میں فاضل عربی کی سند حکومت ہند سے ملی جس میں پہلے ڈیڑھ ہزار سالانہ اور چند سال کے بعد تین ہزار روپیہ سالانہ اعزازیہ ملنے لگا۔ اب اس رقم میں کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ اسی سال حکومت یوپی نے اردو کے بہترین مصنف کی حیثیت سے پانچ ہزار روپیہ کا انعام دیا۔ اس کے علاوہ تھوڑی بہت سرکاری مدد مصنفین واہل فن کے فنڈ سے ملتی رہی۔ سچ نکالا تو اس سے تو کوئی آمدنی ہوئی نہیں البتہ صدق سے تھوڑا بہت ملتا رہا۔ مگر ۱۹۵۰ء سے جب صدق خود نکالنا شروع کیا تو باوجود زیادہ خریدار نہ ہونے کے اچھی خاصی ماہوار آمدنی ہونے لگی اور کتابوں کی رائلٹی بھی معقول ملنے لگی۔ بمبئی، کویت اور ملیشیا کے بعض مخلصین نے اپنی طرف سے عطیات بھی بھیجے اور کچھ رقم بھتیجے اور داماد بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اس طرح بحیثیت مجموعی آخر زمانہ تک مالی حالت قابل اطمینان رہی۔

صحت

مولانا کی صحت جسمانی عام طور پر اچھی رہی بجز اس کے کہ آنکھیں مختلف بے احتیاطیوں کی وجہ سے کمزور ہوگئیں، عینک کا استعمال پندرہ سال کی عمر سے شروع کیا۔ چونکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل کام لکھنے پڑھنے ہی کا تھا اس لئے شکایت بڑھتی گئی۔ رات کو لکھنے پڑھنے کا کام بند کرنا پڑا۔ سب سے زیادہ اثر خط پر پڑا یعنی آخر میں اتنا خراب ہو گیا تھا کہ اس کا پڑھنا سخت دشوار ہو گیا تھا۔ انتقال سے دو سال قبل داہنی آنکھ کے موتیا بند کا آپریشن لکھنؤ میں ہوا۔ بسیار پان خوری سے دانت بھی ۳۷-۳۸ سال کی عمر میں گرنے لگے اور بالوں میں سفیدی بھی جلد مختلف قسم کے خوشبودار تیلوں کے استعمال سے آنے لگی۔ اپنی ان بے احتیاطیوں کو انہوں نے آپ بیتی میں حماقتوں سے تعبیر کیا ہے اور ان پر اظہار تاسف کیا۔ ۱۹۱۷ء میں حیدر آباد کے دوران قیام ورم معدہ کا سخت مرض لاحق ہوا اور یونانی علاج سے اس کا ازالہ ہوا۔ ۴۲ سال کی عمر میں قلبی تکلیف محسوس کی اس سے افاقہ کے بعد ایک مخلص عزیز کے اصرار پر ورزش اور ہوا خوری شروع کی، قبض کی شکایت بھی نوعمری سے پیدا ہو گئی تھی۔ مگر باقاعدہ و منظم زندگی کی برکت سے صحت سنبھل گئی۔ ۱۹۶۰ء میں بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب کے انتقال اور اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں محبوب بیوی کی وفات سے مولانا بہت افسردہ اور پژمردہ رہنے لگے خاص کر شریک حیات کی مفارقت نے ان کا دل بالکل بجھا دیا تھا۔ پھر بھی صبر و شکر سے اپنے معمولات پر قائم رہے۔ ساٹھ سال کی عمر کے بعد موسم کی تبدیلی کی وجہ سے تقریباً ہر سال بخار اور کھانسی کی شکایت ہو جاتی تھی جو یونانی طریقہ علاج سے دور ہوتی تھی، مولانا ایلوپیتھی طریقہ علاج کو پسند نہیں کرتے تھے۔

۱۴ر مارچ ۱۹۷۴ء کو جب ان کی عمر تقریباً ۸۲ برس کی ہو چکی تھی دریاباد میں فالج کا ہلکا حملہ ہوا جس کا پہلے ڈاکٹری علاج چلتا رہا پھر ہومیوپیتھی علاج سے مرض کی شدت میں تخفیف ہوئی، داہنے پیر کے نچلے حصہ پر اثر تھا نیز نسیان بڑھ گیا تھا پھر بھی دریاباد سے لکھنؤ کے سفر ہوتے رہے، ایک بار دارالمصنفین اعظم گڑھ کے جلسے میں شرکت کے لئے اعظم گڑھ گئے اور پھر مارچ ۱۹۷۶ء میں علی گڑھ بھی جانا ہوا جہاں مسلم یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری دی۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں مستقل قیام کے لئے لکھنؤ آئے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہیں گر جانے کی وجہ سے کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی، اس صدمہ نے ان کی صحت پر اور برا اثر ڈالا۔ ایک ہڈی کے ماہر نے فوراً ہی پلاسٹر چڑھا دیا مگر اس وقت سے وفات تک تقریباً تین ماہ تک مولانا کی زندگی ایک کمرہ کے ایک چوبی تخت تک محدود ہو کر رہ گئی جس کا ان کو بخوبی احساس تھا اور بڑے تاثر سے اس کا ذکر کرتے تھے۔ عیادت کرنے والوں میں مولانا علی میاں مرحوم، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، یونس سلیم صاحب اور متعدد حضرات لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے آتے رہے اور خطوں سے خیریت دریافت کرتے رہے۔

صدق جدید میں ضعف بصارت اور عام اضمحلال کی وجہ سے ۱۹۷۴ء میں لکھنا بہت کم ہو گیا تھا اور پرچہ کی ترتیب اور اشاعت کی ساری ذمہ داری برادر محترم حکیم عبدالقوی صاحب نے سنبھال لی تھی۔

روزانہ عصر کے بعد ملنے والے آتے تھے اور ان سے مختصر بات چیت رہتی تھی۔ لڑکیاں، بھتیجے اور دوسرے عزیز بھی برابر ان کے پاس آتے رہتے اور ان کی معذوری پر دلی رنج و افسوس ظاہر کرتے۔ آخر دسمبر ۱۹۷۶ء میں غالباً فالج کا نیا حملہ ہوا جس کی وجہ سے وہ زیادہ تر غافل رہنے لگے اور گفتگو بھی بہت کم کر پاتے تھے اور زیادہ تر الفاظ سننے والوں کی سمجھ میں نہ آتے۔ وفات سے ایک دن قبل اتفاق سے قاری مولانا محمد طیب صاحب مرحوم عیادت کے لئے آ گئے مگر اس وقت مولانا بالکل غافل تھے، غفلت کے باوجود بار بار نماز کی نیت کے لئے ہاتھ باندھتے اور کبھی کبھی اللہ کا لفظ سننے میں آتا۔ آخری الفاظ جو زبان سے نکلے وہ یا اللہ اور خدا حافظ تھے۔ انتقال سے کئی روز قبل موجود بھتیجوں اور عزیزوں سے کہا کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ نماز جنازہ علی میاں پڑھائیں اور تدفین دریاباد میں ہو مگر اس کے لئے کوئی زحمت نہ اٹھانا، جہاں بھی اور جو بھی آسانی سے انتظام ہو سکے وہی کر لینا۔

جمعرات ۴ر جنوری ۱۹۷۷ء کو سوا چار بجے صبح مولانا سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون، جس کے وہ مشتاق تھے اور صحت کی حالت میں بار بار ذکر فرمایا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ غسل مولانا ہاشم فرنگی محلی اور دیگر اعزہ نے دیا۔ انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگوں کا تانتا بندھ گیا، لکھنؤ مولانا کا وطن ثانی تھا اور وہاں کے مذہبی، علمی وسماجی حلقوں میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو سے انتقال کی خبر نشر ہوئی۔ مولانا علی میاں صاحب مرحوم رائے بریلی میں تھے وہاں سے فوراً لکھنؤ آئے۔ جنازہ مدوۃ العلماء لے جایا گیا جہاں کی مسجد کے سامنے بعد ظہر ایک عظیم مجمع میں نماز جنازہ ان کی وصیت کے مطابق مولانا علی میاں مرحوم نے پڑھائی، پھر جنازہ لاری میں دریاباد لے جایا گیا، راستہ میں بارہ بنکی رسولی میں سڑک کے کنارے بڑی تعداد میں تعزیت کرنے والے جمع تھے۔ لکھنؤ کی قیام گاہ پر یوپی کے وزیر اعلیٰ مسٹر نرائن دت تیواری تعزیت کے لئے آئے اور ان کے ساتھ جناب عزیز الرحمٰن صاحب (حافظ محمد ابراہیم صاحب مرحوم کے صاحبزادہ) بھی، جو تدفین میں شرکت کے لئے دریاباد بھی گئے۔

جنازہ دریاباد مغرب کے وقت پہنچا، پورا قصبہ سوگوار نظر آرہا تھا، تمام دکانیں بند تھیں، مسلمانوں کے دوش بدوش غیر مسلم بھی آنسو بہا رہے تھے۔ دوسری نماز جنازہ قصبہ کے مڈل اسکول میں بڑے مجمع میں دریاباد کے بزرگ حافظ غلام نبی صاحب نے پڑھائی۔ قبر کی جگہ مکان سے متصل مخدوم آبکش صاحب کی درگاہ میں واقع تھی۔ زبردست ہجوم کی وجہ سے درگاہ کی دیوار کو توڑ کر عشاء کے وقت تدفین عمل میں آئی۔

اس طرح ۸۵ سال کی عمر میں مفسر قرآن، خادم اسلام، صاحب طرز ادیب، انشا پرداز، باکمال صحافی اور مصلح کی ناسوتی زندگی ختم ہوئی۔ قبر کچی رکھی گئی، اوپر ٹین کا سائبان اور کتبہ پر حسب وصیت یہ عبارت لکھی گئی "ایک کلمہ گو جو تائب ہو کر مرا" نیز یہ دو آیات قرآنی بھی لکھی گئی ہیں "وَ رَبُّکَ الغَفُور ذُو الرَّحْمَة"، "قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ ۵ اِنَّ اللهَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعاً اِنَّهُ هُوَ الغَفُورُ الرَّحِیْم"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعزیت کے لئے بے شمار لوگ دریاباد میں آتے رہے۔ خطوط، تار اور ٹیلی فون کے ذریعہ بھی تعزیت کا سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ ہندوپاکستان کے انگریزی اردو اخباروں اور رسالوں میں موت کی اطلاع، تعزیتی اداریئے اور ان کی عظیم خدمات کی اعتراف بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ کئی اخباروں اور رسالوں نے خاص نمبر نکالے جن میں حکومت یوپی کے اردو ماہنامہ 'نیا دور' اور 'قومی آواز' کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تلک بھون یوپی سیکریٹریٹ میں عمار رضوی صاحب وزیر حکومت یوپی کی طرف سے ایک بڑا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ان کی یادگار قائم کرنے کی تجویزیں پیش کی گئیں، ندوۃ العلماء میں ایک بہت بڑا تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مولانا کی دینی و تفسیری خدمات کو یاد کیا گیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، دارالمصنفین اعظم گڑھ، اردو اکیڈمی حیدرآباد، بمبئی، کلکتہ اور ملک کی بہت سی دینی، علمی اور ادبی اداروں نے اپنے جلسوں میں تعزیتی قراردادیں پاس کیں۔ کئی لوگوں نے ان کی خدمات پر قطعات تاریخ کہے۔

سری نگر (کشمیر) کے ایک صاحب علم میر غلام نازکی نے آیہ قرآن 'ورفعنا لک ذکرک' سے ہجری تاریخ وفات ۱۳۹۷ھ نکالی۔ دہلی یونیورسٹی کے استاد اردو مغیث الدین فرید نے قطعہ کہا

تاریخ رحلت بے ہنگام
۱۹۷۷ء

مولانا کے ہم وطن اور خوشگو شاعر رہبر تابانی دریابادی نے اس شعر سے تاریخ نکالی۔

افسوس تہ خاک ہے آرام پذیر — وہ محرم لیلائے سخن نکتہ شناس
۱۹۷۷ء

مولانا مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں تقریباً بارہ تیرہ ہزار کتابیں اردو، انگریزی، عربی اور فارسی کی موجود تھیں جس میں بیش قیمت اور نادر کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ اپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی ہی میں انہوں نے انگریزی کی کتابیں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شبلی لائبریری اور اردو فارسی عربی کی کتابیں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی کو اپنی زندگی ہی میں دے دی تھیں تاکہ وہ محفوظ رہیں اور ان سے تحقیق و استفادہ ہوتا رہے۔ راقم المرتب نے سچ، صدق اور صدق جدید کی مکمل فائلوں کی فوٹو کاپی کروا کے مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیوسٹی کو بھیج دی ہیں تاکہ اردو صحافت کا یہ قیمتی ورثہ محفوظ رہے۔

دریاباد میں جس مکان میں مولانا رہتے تھے اسے ان کے وارثوں نے آپس میں مشورہ کر کے ندوۃ العلماء کو دینی تعلیم خصوصاً حفظ قرآن کے لئے مدرسہ معین الاسلام قائم کرنے کے لئے دے دیا ہے جو الحمدللہ بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ قدیم جدی مکان جہاں وہ پیدا ہوئے تھے بڑی شکستہ حالت میں تھا جس کی تعمیر نو کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے کر دیا ہے۔

مولانا نے اپنی زندگی ہی میں اپنا وصیت نامہ لکھ دیا تھا جس میں دو تین بار ترمیم بھی کی اس کے اقتباسات عبرت آفرینی، تاثر اور سلاست بیان کی بنا پر پیش خدمت ہیں۔

کلمات وصیت

پیدائش وسط مارچ (اغلباً ۱۵ / مارچ) ۱۸۹۲ء کی ہے۔
مطابق شعبان ۱۳۱۰ھ وصیت نامہ لکھ ڈالنے کا خیال مئی ۱۹۵۲ء مطابق شعبان ۱۳۷۱ھ میں پیدا ہوا۔ چنانچہ خوب خیال ہے کہ روتی ہوئی آنکھوں اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک مسودہ گھسیٹ دیا۔ اس وقت سن ساٹھ سال کا تھا۔ پانچ سال بعد اسے کالعدم کر کے فروری ۱۹۵۷ء رجب ۱۳۷۶ھ میں دوسرا قلمبند کر دیا۔ عمر نے طوالت کھینچی، تیسری بار نظر ثانی اور ترمیم کے بعد نوبت ۲ / مئی ۱۹۶۰ء کو لکھنے کی آئی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مسودہ بھی فرسودہ ہوگیا۔ آج ۶ ر ستمبر ۱۹۷۲ء ۲۷ ر رجب ۱۳۹۲ھ کو یہ مسودہ چوتھی بار لکھ رہا ہوں۔ اب اپنی عمر کے اسّی ویں سال میں ہوں بحساب سال شمسی۔

بھائی صاحب (مولوی عبدالمجید صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر) نے دسمبر ۱۹۶۰ء میں دفعتاً انتقال کیا۔ دل توڑنے کو یہی صدمہ کیا کم تھا کہ محبوب بیوی شروع جنوری ۱۹۶۹ء میں اپنے میکے (باندہ) میں بالکل دفعۃً سفر آخرت پر روانہ ہوگئیں، اس نے تو مجھے بالکل بجھا دیا۔ چنانچہ آج تک ہنسی اس کے بعد ہونٹوں پر نہیں آئی ہے، اور اب امید اور انتظار اس کا رہنے لگا ہے کہ دیکھئے کب اس مرحومہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔

جنازہ پڑھانے کے لئے نمبر اول پر مولانا علی میاں کو رکھتا ہوں، وہ نہ ملیں تو مولانا محمد عثمان فارقلیط ایڈیٹر الجمیعۃ دہلی (متوفی ۱۹۷۶ء)، مولانا محمد اویس نگرامی (یہ بھی مولانا سے چند ماہ قبل مرحوم ہوگئے تھے) ورنہ پھر کوئی بھی صالح مسلمان سہی۔ دریابادوالوں میں حافظ غلام نبی اچھے ہیں۔ مدفن کے لئے اصل تمنا یہ تھی (حرمین شریفین کے بعد) کہ جگہ کسی مسجد کی عین دہلیز کے نیچے ملتی بلا علامت قبر کے گویا زمین دوز تاکہ نمازی اس کے اوپر سے گزرتے رہتے لیکن اس تمنا کا پورا ہونا مشکل ہی ہے اس لئے دو تین جگہیں تجویز کئے جاتا ہوں۔ (۱) والدہ ماجدہ کی قبر کے پائنتی مگر اب وہاں جگہ کہاں ہے؟ (۲) اپنے مکان سے متصل حضرت مخدوم آبکش کی درگاہ کے اندران کے مزار کے قریب۔ (۳) اس پرانے قبرستان میں جو میاں نسیم نعمانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مکان سے متصل ہے۔ قبر پختہ نہ ہو تو بہتر ہے، بارش وغیرہ سے حفاظت کے لئے ٹین کی چادریں ڈالی جاسکتی ہیں۔ قبر پر نام کی بجائے صرف "ایک کلمہ گو" ہو تو بہتر ہے اور بطور کتبہ یہ آئتیں ضرور لکھ دی جائیں: "وَ رَبُّکَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ"، "قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۵ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"۔ چنانچہ ان کی تدفین حضرت مخدوم آبکش کی درگاہ کے اندر ہوئی۔

اپنے مخلصین سے طمع اس کی رکھتا ہوں کہ دعائے مغفرت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ اگر ہر روز تین بار سورۃ اخلاص کا معمول بنالیا جائے تو سبحان اللہ۔ صالحین خصوصاً مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپور، مولانا محمد طیب صاحب دیو بند اور مولانا فارقلیط صاحب دہلی سے دعائے مغفرت ضرور کرائی جائے۔ اتفاق سے اگر وقت موعود وطن سے باہر کہیں آجائے تو وہاں سے لاشہ لانے کی زحمت و طوالت خواہ مخواہ نہ گوارا فرمائی جائے۔

دل میں آرزوئیں ہزاروں ہیں اور حسرتیں بے شمار، اتنا تو اعتراف مجھ ناشکرے کو بھی کرنا پڑے گا کہ اللہ نے اس عمر تک اپنے ہر طرح کے لطف و کرم سے نوازے رکھا اور ہر قسم کی نعمت سے سرفرازی دی۔ اپنے استحقاق و قابلیت سے کہیں بڑھ کر۔ اپنی کمال ستاری سے خلق میں رسوا ہونے سے بچائے رکھا، آخرت میں تو یہ صفت ستاری کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگی وہاں کیسے اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا۔

سارا بھروسہ، سارا ناز، سارا اعتماد بس ایک ذات پر ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس نے اپنا نام العفو بھی بتایا ہے اور الغفور بھی اور الغفار بھی اور جس نے بے شمار شہادتیں بھی اس کی اپنے سچے رسول کے ذریعہ امت تک پہنچا دی ہیں ورنہ اپنے اصل حال کے لحاظ سے تو جی بے اختیار یہی چاہتا ہے کہ زمین پھٹے اور اس میں سما جاؤں اور مخلوق میں سے کسی کو اپنا چہرہ نہ دکھاؤں۔ اتنے دن جیا اور حقوق اللہ کی ادائی کی توفیق ہوئی اور نہ حقوق العباد کی!

عزیزو، مخلصو، رفیقو بس اب اللہ حافظ، یغفر اللہ لنا ولکم۔

انشاء اللہ العزیز ملاقات جس میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑے گا اب جنت ہی میں ہوگی۔

مولانا مرحوم نے اپنے ورثاء میں چار لڑکیاں اور چار بھتیجے (جو داماد بھی تھے) چھوڑے۔ چاروں صاحبزادیاں اور دو بھتیجے حکیم عبدالقوی اور حبیب احمد قدوائی راہی جنت ہو چکے ہیں۔ چاروں لڑکیوں سے مولانا کو بڑی انسیت اور محبت تھی چنانچہ باری باری سے وہ ان کے ساتھ رہتی تھیں اور مرحوم ان سے ہر قسم کی گفتگو اور صلاح ومشورے کرتے تھے۔ بڑے بھتیجے حکیم عبدالقوی ان کے ذاتی اور لٹریری اسسٹنٹ تھے۔ چنانچہ لوگوں سے ملاقات ورابطہ اور ان کے اخبارات کے انتظامی امور کے ذمہ دار تھے۔ ان کی آخری علالت اور ان کے انتقال کے بعد بھی بطور جانشین کے سات آٹھ سال تک صدق جدید بڑی خوش اسلوبی سے نکالتے رہے اور ان کی کتابوں کی اشاعت کا بندوبست کرتے رہے۔ منجھلے بھتیجے سرکاری ملازم تھے اور اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے اور مولانا کے لئے مختلف قسم کی کتابیں لایا کرتے تھے۔ سنجھلے بھتیجے ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی استاد شعبہ سیاست مسلم یونیورسٹی وسابق ممبر راجیہ سبھا نے بطور سکریٹری ان کی بڑی خدمت کی، پاکستان کے دو سفروں میں ان کے ساتھ گئے اور ان کی وجہ سے انہیں ہر طرح کا آرام ملا۔ مولانا کے انتقال کے بعد ان کے خطوط مکتوبات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماجدی کو بڑی محنت سے مرتب کر کے شائع کرا رہے ہیں چنانچہ اب تک پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی کم سے کم تین جلدیں اور شائع ہو سکتی ہیں۔ چھوٹا بھتیجا ان سطور کا راقم مرکزی حکومت کی اکنامکس سروس سے ریٹائر ہو چکا ہے۔ اسے بھی مولانا کی مختلف قسم کی خدمات کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے اور مرحوم اس کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اور اس بے مایہ کو جو کچھ آیا وہ ان ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

حکیم عبدالقوی صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی۔ حبیب احمد قدوائی کے چار بیٹے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ایک مفقود الخبر ہیں، دوسرے صاحبزادے نافع قدوائی اردو کے صحافی ہیں اور تیسرے صاحبزادے ڈاکٹر شافع قدوائی مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ صحافت میں ریڈر ہیں، اور چھوٹے صاحبزادے حکومت یوپی میں ملازم ہیں، ڈاکٹر ہاشم قدوائی کے دو بیٹے اور تین لڑکیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالرب محمد سلیم قدوائی جواہر لال یونیورسٹی میں سیاست کے پروفیسر ہیں، دوسرے صاحبزادے عبدالمعز قدوائی پرائیویٹ سیکٹر میں اچھی ملازمت پر ہیں۔ راقم السطور کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں جن میں سے دو راہی جنت ہو چکی ہیں۔ بڑے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی شعبۂ انگریزی میں پروفیسر ہیں اور حال میں اکیڈمک اسٹاف کالج کے مستقل پروفیسر اور دائریکٹر مقرر ہوئے ہیں۔ مولانا کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کا نیا ایڈیشن اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر نے نصرانیت و یہودیت کے تقابل کے سلسلے میں شائع کیا ہے اس کی تلخیص و ایڈیٹنگ کی خدمت انہوں نے انجام دی ہے۔ دوسرا لڑکا رشید قدوائی انگریزی صحافت سے منسلک ہے اور اس وقت کلکتہ کے روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف کا جوائنٹ ایڈیٹر ہے۔

مولانا نے دریاباد میں دو مکان چھوڑے ہیں ایک قدیم جدی مکان جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی، اب یہ مکان بہت شکستہ حالت میں ہے۔ آج کل اس کی تعمیر نو کا کام اللہ کے فضل سے چل رہا ہے۔ دوسرا مکان جو ان کے والد مرحوم نے بنوایا تھا اس میں وہ آخر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک مقیم رہے اس میں آج کل ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام مدرسہ معین الاسلام چل رہا ہے جہاں دینی وعصری تعلیم کے ساتھ حفظ قرآن کا خصوصی انتظام ہے۔

علمی اعزاز وانعامات

تعلیم ختم ہونے کے بعد انہیں دو ممتاز برطانوی انجمنوں کی اعزازی ممبری ملی، ایک رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی اور دوسری حکیم ارسطو کے نام سے منسوب Aristotalia Soceity کی، جو ان کی انگریزی کتاب سائیکلوجی آف لیڈرشپ کی اشاعت پر دی گئی تھی۔ یہ دونوں انجمنیں امتیازی حیثیت رکھی تھیں اور ان کی رکنیت ممتاز اہل علم یا اساتذہ کو دی جاتی تھی۔ ۱۹۱۶ء میں ملک کے نامور ادیب اور انشا پرداز مولانا شبلی کی یاد میں ایک علمی ادارہ اعظم گڑھ میں دارالمصنفین یا شبلی اکیڈمی کے نام سے قائم ہوا۔ مولانا اس کے بنیادی رکن تھے اور آخر عمر تک اس کی مجلس انتظامیہ کے صدر رہے۔

یوپی میں برطانوی حکومت نے ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد قائم کی اس کے اردو شعبہ کے ممبر مولانا آخر تک رہے اور اس کے جلسوں میں شرکت کے لئے پابندی سے الٰہ آباد جاتے رہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن آخر عمر تھے اور متعدد جلسوں کی صدارت کی۔ گوانہوں نے ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن ارباب ندوۃ نے ان کو اعزازی ندوی تسلیم کیا۔

یوپی اردو اکیڈمی کی کونسل اور انتظامیہ دونوں کے رکن بنائے گئے، پھر حکومت یوپی کی تشکیل کردہ انعامی کمیٹی کے بھی ممبر ہوئے جو اردو مصنفوں کو انعام دینے کے لئے بنائی گئی تھی۔ ریڈیو ایڈوائزری کمیٹی کے شعبہ اردو کے ممبر عرصہ تک رہے۔ اردو کے متعلق جانچ کرنے والی کرپلانی کمیٹی کے بھی کچھ عرصہ تک ممبر رہے۔ یوپی جج کمیٹی کے ممبر آخر عمر تک رہے اور پابندی سے جلسوں میں شریک ہونے دریاباد سے آتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسیات میں مولانا محمد علی جوہر کے اثر سے کچھ عرصہ تک خلافت کمیٹی میں پیش پیش رہے اور اودھ خلافت کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے، ان کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور وہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئے۔ ۱۹۵۸ء میں لاہور میں منعقد شدہ اسلامی مذاکرہ میں ہندوستانی وفد کے صدر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اگست ۱۹۶۶ء میں حکومت ہند نے عربی میں سند فضیلت National Scholarship in Arabic عطا کی جس کو اپریل ۱۹۶۷ء میں صدر رادھا کرشنن نے دیا۔ شروع میں پندرہ سو روپیہ سالانہ کی پنشن ملتی تھی جو بعد میں بڑھ کر تین ہزار روپیہ ہوگئی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں حکومت یوپی نے بہترین اردو مصنف کا انعام پانچ ہزار روپیہ دیا۔

اپریل ۱۹۷۶ء میں مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری دی۔ اس اجلاس کی صدارت فخر الدین علی احمد صاحب صدر جمہوریہ نے کی۔ اس کا نوکیشن کا یادگاری Gown یا جبہ ابن سینا میوزیم علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

محسن اور عزیز شخصیتیں

اپنی آپ بیتی، خطوط اور دوسری تحریروں میں مولانا نے بہت سے لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے ان کی تاثر پذیر طبیعت نے اثر قبول کیا اور کچھ کو اپنی محسن اور عزیز شخصیتوں کی فہرست میں رکھا ہے۔ ان میں نامور اور غیر معروف، بڑے، معاصر اور چھوٹے سب ہی قسم کے لوگ شامل ہیں۔ اس کا خلاصہ پیش ہے۔

۱۔ گھریلو زندگی اور اعزہ و اقارب میں ماں باپ، چچا، بڑے بھائی بہن، بھاوج، رشتہ دار، مولوی اور استاد

۲۔ شعر و ادب میں مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی، مولوی نذیر احمد، مرزا رسوا، رتن ناتھ سرشار، ریاض خیر آبادی، ابوالکلام آزاد، حسن نظامی، راشد الخیری۔ ان کے ممدوح شاعروں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر، غالب، حضرت اکبرالہ آبادی، اقبال، داغ، امیر، حسرت، جگر مرادآبادی اور فانی شامل ہیں۔

۳۔ الحاد اور مذہب کی طرف واپسی میں جان مل، اسپنسر، ہکسلے، ولیم جیمس کی تحریروں اور مذہب کی طرف مراجعت میں حضرت اکبرالہ آبادی، مولانا محمد علی جوہر، مولوی محمد علی لاہوری، مسز اینی بینٹ، گاندھی جی، ٹیگور، مولانا سید سلیمان ندوی۔

۴۔ روحانی عقیدت: مولانا اشرف علی تھانوی (محبوب مقتدا اور روحانی مربی)، شاہ محمد یعقوب مجددیؒ، مولانا حسین احمد مدنی (جن سے وہ بیعت تھے)، مولوی عابد حسین فتحپوری، عبدالاحد کسمنڈی، حاجی شفیع بجنوری۔

۵۔ معاصرین: مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر عبدالعلی، ڈاکٹر حفیظ سید، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اردو، مولوی عبدالباری ندوی، مسعود علی ندوی، مہدی حسن الافادی، مولوی عمران خاں ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن، مولوی امین الحسن بسمل، نواب سالار جنگ، بہادر یار جنگ، ہوش بلگرامی، مہاراجہ محمود آباد، علی محمد خاں، نواب اکبر یار جنگ، سعید الملک نواب چھتاری، سر مرزا اسماعیل، ملک غلام محمد، ڈاکٹر ذاکر حسین، مولوی صبغت اللہ شہید فرنگی محلی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا جمال میاں، سید جالب دہلوی، انیس احمد عباسی، حکیم برہم گورکھپور، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، جسٹس کرامت حسین، شعیب قریشی، مولانا شوکت علی، مولوی عبدالرحمٰن نگرامی، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا اویس ندوی، سید صدیق حسن، خواجہ غلام الثقلین، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحی، شوکت تھانوی، رئیس احمد جعفری، رشید احمد صدیقی، خواجہ شفیع دہلوی، سید آل عبا آوارہ، مولانا حمید الدین فراہی، وصل بلگرامی۔ [یہ فہرست محض اجمالی ہے کیونکہ معاصرین کی تعداد بہت زیادہ ہے]۔ اس کے علاوہ دیوبند، ندوۃ العلماء اور ملک کے نامور عالموں، پاکستان کے اہل علم حضرات سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے شگفتہ تعلقات رہے۔ شیعہ عالموں اور مصنفوں سے بھی ان کے روابط تھے۔ اس کے ساتھ یونیورسٹی والوں، ادیبوں، شاعروں اور اہل صحافت سے۔ چونکہ مولانا سیاسیات سے دور رہتے تھے اور ذاتیات پر حملوں سے محترز رہتے تھے اس لئے مختلف طبقوں کے لوگوں سے مراسلت و ملاقات خوشگوار ماحول میں رہتی تھی۔

مولانا محمد علی ان کے محبوب اور ان کے نزدیک ایک بے مثال شخصیت کے مالک تھے جنہیں اسلام، رسول مقبولؐ اور حق سے انتہائی شیفتگی تھی۔ ان کے روحانی مقتدا اور مطاع مولانا اشرف علی تھانوی تھے جن کے فیض تربیت سے ان کی زندگی بدل گئی اور انہیں پابندی شریعت اعتدال و توازن اور حق پسندی کی نعمتیں مل سکیں۔

اسی کے ساتھ مولانا نے چند مظلوم و مرحوم شخصیتوں کا ذکر کیا ہے جن سے ان کا سابقہ اپنی نوعمری اور جوانی میں رہا۔ ان کے ساتھ زیادتیاں اور حق تلفیاں ان کی طرف سے ہوئی تھیں خاص کر ذاتی ملازمین سے ان کا کھل کر اعتراف کیا ہے اور ان سے معافی تاثر کے ساتھ طلب کی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے تین معاصرین کا ذکر بھی کیا ہے جن کے حقوق کی ادائیگی میں ان سے کوتاہی ہوئی، اس کی بھی معذرت دلی تاسف کے ساتھ کی ہے اور یہ توقع ظاہر کی ہے کہ یہ حضرات روز حشر میں انتقام کے بجائے عفو اور درگزر سے کام لیں گے۔ والد مرحوم کی حق تلفی، اپنی نافرمانی اور خاص کر اپنے الحاد کی وجہ سے ان کو جو دلی تکلیف پہنچائی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنی بدگمانیوں اور دل آزار حرکتوں سے جو اذیت پہنچائی اس کا بھی اظہار دلی تاسف اور تاثر کے ساتھ کیا ہے۔ ان میں سے مولانا آزاد سے تو کھل کر صلح و صفائی ہوگئی تھی اور آخر تک خوشگوار تعلقات قائم رہے۔

www.KitaboSunnat.com

مخالفین و معاندین

پبلک زندگی بسر کرنے والے اور خاص کر ایک صحافی کے مخالفین و معاندین کا موجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونا بالکل قدرتی ہے چنانچہ مولانا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ گو ان کے مخلصین و معتقدین کی تعداد ان کے مخالفین کے مقابلہ میں بہت کم تھی پھر بھی گمنام خطوط، معاندانہ مضامین و تقریروں کے ذریعہ ان پر بہت حملے کئے گئے لیکن مولانا نے زیادہ تر خاموشی کو ترجیح دی اور کچھ مخالفین کو اگر جواب دیئے بھی تو وہ دشنام طرازی، ذاتی حملوں اور شخصی طنز و تعریض سے پاک صاف صرف اصولی تھے۔ آپ بیتی میں اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے انتہائی عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے اپنے مخالفین و معاندین کا نام نہیں لیا۔ صرف یہ لکھا ہے ''ایک مختصر گروہ ایسا بھی پبلک زندگی کے ہر دور میں یاد پڑتا ہے جس کا اختلاف دینی، سیاسی، علمی، ادبی، ملّی مسائل تک محدود نہیں بلکہ جن کی نظر میں شاید میرا وجود ہی ایک مستقل جرم ہے۔ طنز و تعریض، تحقیر و تنقیص، تضحیک و تفضیح کا ہر درجہ ایسے حضرات کے نزدیک جائز بلکہ مقصد کے حصول کے لئے شدید مبالغہ آمیزی اور افترا پردازی تک سے دریغ نہیں''۔

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ سوچنے سے اس وقت دو صحافیوں کے نام یاد پڑ رہے ہیں (ایک مقیم کلکتہ اور دوسرے بھوپال) دونوں اب انتقال کر چکے ہیں اور چونکہ مسلمان تھے اس لئے مغفور بھی ہو گئے ہوں گے اور دو صاحب اسی ٹائپ کے دہلی کے بھی ہوئے ہیں۔ اسی طرح میرے شدید ترین دشمن لاہور کے ایک معلوم و معروف صحافی ہیں جو شاید میری موت کی تمنا میں ہر وقت رہتے ہیں اور اپنے پرچہ میں بدزبانی اور تہمت طرازی کا پورا ترکش خالی کر چکے ہیں، اس بے بنیاد جرم میں کہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا شدید دشمن ہوں، حالانکہ مرحوم سے میری جو کچھ مخالفت تھی وہ الہلال کے شروع زمانہ ۱۹۱۲ء-۱۹۱۳ء کی تھی اور ۱۹۱۸ء میں وہ بالکل ختم ہو چکی تھی۔ [یہ صاحب بھی مولانا کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے]۔ دعا ہے کہ حشر میں جب ان سب کا سامنا ہو تو ان سے بجائے مطالبہ انتقام کے اپنے دل میں اتنی وسعت پاؤں کہ عفو اور درگزر سے کام لوں۔ بہر حال یہ سطریں بڑی ہچکچاہٹ کے بعد لکھی ہیں اور نیت کا حال تو عالم الغیب ہی پر روشن ہے''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

ادبی خدمات۔مضمون ومراسلہ نگاری، ابتدائی تصنیف وتالیف، ترجمہ نگاری، ترجمہ وتفسیر قرآن مجید

مولانا کی ادبی خدمات اتنی کثیر النوع اور وسیع ہیں کہ ان کا مختصر جائزہ بھی لینا آسان نہیں۔ان کو شروع سے لکھنے پڑھنے کے لئے بڑا موافق اور ساز گار ماحول ملا کیونکہ گھر میں علم کا چرچا ہر طرف تھا۔ان کے چچازاد بھائی عبدالحلیم اثر جوان کے ساتھ ہی رہتے تھے اس شوق کو اور فروزاں کیا اور ان کی ہر قسم کی مدد اور ہمت افزائی کی جس کے لئے وہ ہمیشہ ان کے ممنون احسان رہے۔زمانہ طالب علمی میں انہوں نے ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور سب سے زیادہ متاثر مولانا شبلی نعمانی سے ہوئے جن کے بارے میں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا

> ''اپنے ہوش کی آنکھیں جب کھلیں تو ادبی فضا پر اس وقت حکمراں دو شخصیتیں تھیں ایک شبلی اور دوسرے شرر۔سنجیدہ علمی، فکری، واقعاتی قسم کی ادبیات کے فرماں روا شبلی نعمانی مصنف الفاروق اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے اہم مقالہ نگار۔ ان انگلیوں نے جب سے قلم پکڑنا سیکھا روش اعظم گڑھ کے اس مرد عظیم کی دل کو بھائی اور برسوں مچل مچل کر ان ہی کی نقالی کی۔ پھر جب ادبی جوانی پر پہنچ گیا تو ہادی راہ مرزا محمد ہادی بنے، وہی امراؤ جان والے رسوا۔ معلم اول شبلی تھے تو یہ معلم ثانی''۔

ان کی مضمون نگاری کا آغاز ۱۹۰۴ء سے ہوا جب انہوں نے اودھ اخبار لکھنؤ اور وکیل امرتسر میں فرضی ناموں سے مضامین بھیجے۔ نویں درجے میں تھے تو ایک یونانی ڈرامہ Antogone مصنفہ سوفیوکلز کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر ڈالا، کیننگ کالج کی طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے دو مفصل مقالے یا کتابچے ''محمود غزنوی'' اور ''غذائے انسانی'' لکھے جن کو وکیل بک ٹریڈنگ ایجنسی نے ۱۹۱۰ء میں شائع کر دیا۔ اسی سال انہوں نے رسالہ الناظر لکھنؤ میں مولانا شبلی کی کتاب ''الکلام'' پر چھ قسطوں میں فرضی نام سے تنقید لکھی۔ اسی کے ساتھ ہی انہوں نے انگریزی مضمون نگاری بھی شروع کی اور کلکتہ کے ممتاز رسالہ East & West میں ان کے مضمون شائع ہوئے۔ اپنے دور الحاد میں ان کو فلسفہ اور نفسیات سے بڑی دلچسپی تھی چنانچہ ان کی تصنیف و تالیف کا پہلا دور ان ہی مضامین سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں انہوں نے ایک کتاب فلسفہ جذبات لکھی اور نومبر ۱۹۱۵ء میں انگریزی میں سائیکولوجی آف لیڈرشپ جولندن سے شائع ہوئی۔ اسی سال اردو میں فلسفہ اجتماع بھی اردو میں شائع ہوئی۔ ان کتابوں میں اجتماع کی نفسیات کے سلسلے میں پیمبران عظام اور مذہب اسلام پر تعریضات کی گئی تھیں جن کے خلاف مسلم حلقوں میں خاصا ردعمل ہوا اور ان کو مولانا شبلی کے سیرت النبی کے اسٹاف سے ہٹنا پڑا، اور حیدرآباد میں بھی ان کی دارالترجمہ کی ملازمت کے دوران بھی ان کے خلاف خاصی شورش ہوئی۔

قیام لکھنؤ میں اپنے دور الحاد اور پھر مذہب کی طرف واپسی کے بعد کی مدت مولانا کی ادبی زندگی میں خاصی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس زمانہ میں انہوں نے وسیع مطالعہ کیا۔ اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض ہم عصر نامور شخصیتوں سے جن میں لکھنؤ کے متعدد ادیب، شاعر اور صاحب علم حضرات شامل تھے، فیض حاصل کیا، عربی، فارسی اور اسلامیات کی طرف توجہ کی جس کی وجہ سے نہ صرف ان کی استعداد بڑھی بلکہ زبان ومحاورہ پر بھی خاصا عبور ہو گیا جس میں روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم نہ حاصل کرنے کے باوجود محض اپنی ذہانت سے ان تمام علوم پر دسترس حاصل کی۔ انشاپردازی میں وہ مولانا شبلی کے معتقد تھے اور ان کی یہ حیثیت ہمیشہ نمایاں رہی چنانچہ ان کے انتقال کے بعد ۱۹۱۶ء میں ان کے جانشین اور اپنے پرانے رفیق مولانا سید سلیمان ندوی کے ساتھ انہوں نے اعظم گڑھ میں دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی) جیسے وقیع علمی اور ادبی ادارہ کی بنیاد ڈالی اور آخر دم تک اس سے وابستہ رہے۔ اسی زمانہ میں علاوہ مضمون نگاری کے انہوں نے اردو صحافت میں دلچسپی لی۔ معارف اعظم گڑھ میں شذرات لکھے اور کچھ عرصہ تک اس کی ادارت میں بھی شامل رہے، پھر اپنے ایک شاگرد انیس احمد عباسی کے روزنامہ حقیقت سے بھی کچھ عرصہ تک منسلک رہے۔

ترجمہ و تلخیص

ان کی تصنیف وتالیف کا دوسرا دور ترجمہ و تلخیص ہے۔ چنانچہ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کے لئے مختلف انگریزی کتابوں کے ضروری اقتباسات کے ترجمہ و تلخیص کا کام مشاہرہ پر کرتے رہے، اس کے علاوہ انہیں برابر ترجمہ کا کام مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو دیتے رہے۔ اس دور میں ان کے قلم سے متعدد کتابوں کے ترجمے نکلے جن میں تاریخ تمدن، تاریخ اخلاق یورپ، مکالمات برکلے، پیام امن وغیرہ شامل ہیں۔ اسکے کئی سال بعد انہوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا اور اس کی تفسیر لکھی۔ اس کے بعد جمہور اہل سنت کے لئے قابل قبول اردو میں بھی ترجمہ وتفسیر کا کام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا کیا۔ براعظم صغیر میں یہ شرف صرف مولانا کو حاصل ہوا کہ انہوں نے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں کلام مجید کا ترجمہ وتفسیر لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے ترجموں میں تنوع کے ساتھ اسلوب تحریر دلچسپ ہوتا ہے۔ ان کو ترجمہ وتلخیص سے طبعی مناسبت تھی، چنانچہ مولانا شبلی ان کی مہارت کے قائل تھے۔ ان کے ترجموں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے ہے کہ کسی قسم کی ثقالت یا ترجمہ پن محسوس نہیں ہوتا۔ وہ الفاظ واصطلاحات کے صحیح محل استعمال سے خوب واقف تھے چونکہ وہ انگریزی کے ساتھ عربی اور فارسی پر اطمینان بخش دسترس رکھتے تھے اس لئے بحیثیت مترجم وہ ہر جگہ کامیاب رہے بلکہ کہیں کہیں ان کے ترجموں پر طبع زاد تصنیف ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ مثلاً ناموران سائنس، جہاں انہوں نے مربوط، دلچسپ انداز میں اردو روزمرّہ میں ترجمہ کیا اسی طرح انگریزی واردو ترجمہ وتفسیر قرآن میں وہ بحیثیت مجموعی ایک کامیاب مترجم اور شارح ثابت ہوئے ہیں۔ کیونکہ ترجمہ یوں ہی ایک مشکل فن ہے اور کلام مجید کا ترجمہ تو اور زیادہ کٹھن اور مشکل ہے کیونکہ اس کا طرز بیان تقریری ہے اور اس کو تحریری اسلوب میں ڈھالنے کے لئے کمال احتیاط کی ضرورت ہے۔ مولانا نے اپنی تفسیر ماجدی (اردو) اور انگریزی ترجمہ وتفسیر میں اس کا خاص التزام رکھا ہے کہ لفظی ترجمہ کے ساتھ صحیح ترجمانی بھی ہوتی رہے اور اس کے لئے انہوں نے حواشی میں مختصر توضیحات بھی کردی ہیں۔

خالص ترجموں کے ساتھ ہی انہوں نے کچھ کتابوں کے ترجموں کی تلخیص بھی کی ہے جیسے تاریخ اخلاق یورپ، تاریخ تمدن، منطق استخراجی وارتقائی۔ اور اصل کتابوں کے مفاہیم و معانی کو اردو میں سلیقہ کے ساتھ اردو میں منتقل کیا۔ اپنی آپ بیتی میں مولانا نے اپنے ترجمے کے طریق کار کو اس طرح واضح کیا ہے:

> ''میرے ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے پوری کتاب پڑھ ڈالتا اس کے بعد ایک ایک باب پڑھتا۔ تیسری مرتبہ دو صفحہ تین صفحہ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض اتنا پڑھ لیتا جتنا ترجمہ اس دن مقصود ہوتا۔ چوتھی بار ایک ایک پیراگراف پڑھتا۔ اس طرح مطلب و معانی پر پورا عبور ہو جاتا اور پھر قلم برداشتہ ترجمہ کر ڈالتا''۔

ان کے ترجمہ کا اسلوب اور مؤثر دلکش ہوتا ہے اور موقع کی مناسبت سے اشعار یا مصرعوں کے برمحل استعمال سے اور موزوں اصطلاحات و تشریحات کی وجہ سے دلچسپ رواں اور شگفتہ ہو جاتا ہے۔

انگریزی کتابوں کی تلخیص کے علاوہ انہوں نے متعدد مضامین کے بھی ملخص ترجمے کئے مثلاً مشہور فلسفی مل کی کے مضمون ''تمدن''، ''شاعری اور اس کے اصناف'' الندوہ میں شائع ہوئے چونکہ اس زمانہ میں وہ مل کے بے حد مداح تھے اور اسے دنیا کا سب سے بڑا فلسفی سمجھتے تھے اس وجہ سے وہ اس کے خیالات کی کماحقہٗ صحیح ترجمانی کر سکے۔ الہلال کلکتہ میں موسیو جیراڈ کے ایک مضمون ''تمدن خطرہ میں'' کی اردو تلخیص شائع ہوئی۔

اس کے علاوہ مولانا نے کچھ اور مذہبی کتابوں کے ترجمے جدید اسلوب نثر میں کئے جن میں مناجات مقبول اور چہل حدیث ولی اللہی شائع ہو چکی ہیں اور ایک اور مسودہ شوق وطن یا آخرت کا موجود ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ مناجات مقبول میں قرآن اور حدیث کی ایک سو چورانوے دعائیں ہیں جن کو مولانا اشرف علی تھانوی نے مرتب کیا اور حکیم مولوی مصطفٰے بجنوری نے ان کا ترجمہ معہ حواشی کے کیا۔ مولانا نے اس کی عام فہم اور سلیس شرح لکھی جو محض ترجمہ نہیں بلکہ تشریح و تفسیر کا وافر سامان لئے ہوئے ہے۔ انہوں نے مولوی مصطفٰے صاحب کے کئے ہوئے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور منظوم ترجمہ کو خارج کر دیا۔ ان کا ترجمہ فصیح و بلیغ با محاورہ اور روز مرّہ سلاست و سادگی کا نمونہ ہے جس سے کتاب کی تاثیر اور ادبی شان بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

۱۹۶۷ء میں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی منتخب کی ہوئی چالیس حدیثوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'اربعین' کا ترجمہ وشرح جدید اسلوب بیان اور مفصل حاشیوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مجموعہ کا ایک ترجمہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک خلیفہ سید عبداللہ نے کلکتہ شائع کیا تھا جس کے کچھ عرصہ کے بعد لکھنؤ کے ایک مشہور ناشر محمد مصطفٰے خاں نے اپنے حواشی کے اضافہ کے ساتھ دوسرا ترجمہ شائع کیا۔ مولانا نے اسی ترجمہ پر نظر ثانی کر کے اسے زیادہ رواں، صاف اور شستہ بنا دیا۔ مناجات مقبول کے اب تک کئی ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں اور کتاب کو مقبولیت تام حاصل ہوئی ہے۔

اسی طرح مولانا نے مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک تالیف ''شوق وطن'' جس میں موت کی بشارتیں مرقوم ہیں اور مسلمانوں کو آخرت جوان کا اصلی وطن ہے شوق دلایا ہے اور ایسی حدیثیں جمع کی گئی ہیں جو بہترین عبادت اور بہترین تعزیت کا کام دے سکتی ہیں اور ان سے ہر زخمی دل پر ٹھنڈے مرہم کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی حکیم مولوی مصطفٰے بجنوری صاحب نے کیا تھا۔ مولانا نے ترجمہ پر نظر ثانی کی، کچھ حصوں کو حذف کیا اور کچھ نئے حصوں کا اضافہ کر کے اپنے ہفتہ وار صدق جدید میں کئی قسطوں میں شائع بھی کیا، البتہ اس کی اشاعت نہ ہو سکی اور امید ہے کہ جلد ہی لکھنؤ سے یہ ترجمہ شائع ہو جائے گا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے فلسفہ، نفسیات، دینیات اور قرآنیات کے ترجمہ و توضیح کے ذریعہ اردو کے اسلوب بیان میں قابل قدر اضافہ کیا ہے، موزوں اور مناسب علمی وفلسفیانہ اصطلاحات وضع کیں اور اصل کتابوں کی روح کو کامیابی سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔ انہوں نے مفہوم، معانی اور اسلوب کی قوت اور تنوع کو جس خوبی سے اپنے ترجموں میں برقرار رکھا ہے کہ کہیں سے ان میں ترجمہ پن کا شائبہ نہیں نظر آتا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بڑے کمال کی بات ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنقید نگاری

ادب میں تنقید کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک طرف تشریح و تفسیر بھی کرتی ہے اسی کے ساتھ ہی تجزیہ اور محاکمہ کا فرض بھی انجام دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا معروضی عمل ہے جو حق کو باطل سے الگ کرتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ جھوٹ خود کو سچ کے طور پر مستحکم نہ کر سکے۔ اردو تنقید میں بہت سے نشیب و فراز آئے۔ باضابطہ تنقید کا آغاز حالی سے ہوا جنہوں نے تفصیل اور بالغ نظری سے اردو شاعری کے بارے میں قلم اٹھایا۔ وہ اردو کے ساتھ فارسی اور عربی شاعری کی روایات سے بخوبی واقف تھے اور حالانکہ مغربی ادب کا بھی محدود علم رکھتے تھے مگر اس سے خاصا فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد شبلی، مہدی افادی، مولوی عبدالحق، سر عبدالقادر وغیرہ نے بھی اپنی کاوشوں سے اردو تنقید کو مالا مال کیا۔ مولانا عبدالماجد نے اس تنقیدی سرمایہ کی موجودگی میں اس میدان میں قدم رکھا، گو انہوں نے کوئی خالص تنقیدی کتاب نہیں لکھی پھر بھی انہوں نے متعدد تنقیدی مضامین لکھے جس کے لئے وہ انشاء کی وسیع اصطلاح استعمال کرنا پسند کرتے تھے ان مضامین میں ان کا منفرد اسلوب تحریر نظر آتا ہے، چنانچہ پروفیسر احتشام حسین صاحب سے اپنے ایک ادبی انٹرویو میں اپنی تنقید کے بارے میں ان کے ایک سوال کے جواب میں کہا:

> ''جی ہاں اب یاران طریقت نے تنقید کو مستقل فن بنالیا ہے، شاخ در شاخ، پیچ در پیچ نقادی کو ایک پیشہ ٹھہرالیا۔ میں اتنا دماغ کہاں سے لاؤں اور اپنی زبان کی ترکیب و ترتیب فرنگی سانچے میں کیسے فٹ کرلوں، میرے جی کو تو وہی سیدھی سادی روش مولانا شبلی اور حسرت موہانی کی لگتی ہے اور مرزا ہادی رسوا کا یہ قول نہیں بھولتا کہ بمبئی میں غالب کا عاشق رہا ہوں۔ مدتوں دیوان غالب سرہانے رکھ کر سویا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں لیکن جو شعر پہلی مرتبہ سمجھ میں نہیں آیا اسے دوبارہ نہ پڑھا۔ یہ سمجھ لیا کہ میرے لئے نہیں۔ شعر پر جب غور کرنا پڑا تو وہ فلسفہ ہو گیا، شعر کہاں رہا؟''

ان مضامین کے علاوہ انہوں نے بہت سی کتابوں کے مقدمے اور دیباچے لکھے، کتابوں اور رسائل پر تبصرات کئے اور ریڈیو کے نشریوں میں بھی کچھ تنقیدی موضوعات پر تقریریں کیں۔ مولانا کی تنقید میں سادگی، سلاست، شگفتگی اور جدت ادا پائی جاتی ہے۔ ان کی شخصیت بہت سے علوم کی جامع تھی مگر وہ ادب صالح کے قائل تھے جس میں آمد اور برجستگی کے ساتھ اخلاق آموزی، عبرت انگریزی اور صداقت کے عناصر پائے جاتے ہوں۔ وہ اسے ہر قسم کی بازاریت وابتذال سے پاک صاف دیکھنا چاہتے تھے اور ہر ادبی فن پارے کو اسلامی واخلاقی معیار سے جانچتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ اردو کے نقادوں میں ان کو ان کے مرتبہ کے شایان شان جگہ نہیں دی گئی بلکہ زیادہ تر ان کے ساتھ بے اعتنائی برتی گئی ہے یا نظر انداز کیا گیا۔ ترقی پسند اور جدید ادب کے پرستاروں کے خیال میں وہ ایک خشک قسم کے مولوی تھے جن کے نزدیک ہر رعنائی خیال معصیت کا درجہ رکھتی تھی اور ان کی تحریروں سے ادب اور زندگی کا باہمی تعلق واضح نہیں ہوتا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ مولانا نے اپنی نوعمری کے آخری پینتیس چالیس سال بڑی حد تک قرآنیات کے لئے وقف کر دیئے تھے اور ان کی شناخت ایک ممتاز عالم دین اور بااصول صحافی کی حیثیت سے ہوتی تھی مگر یہ کہنا حقیقت سے کوسوں دور ہوگا کہ انہوں نے تنقید کے میدان میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اپنی طالب علمی ہی کے زمانے سے انہوں نے تنقیدی مضامین لکھنے شروع کر دیئے تھے چنانچہ شبلی کی الکلام پر ان کی مفصل تنقید سے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لکھنؤ کے قیام اور وہاں کے ادبی ماحول میں ان کے جوہر اور نکھرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ شبلی، اکبر اور رسوا کی صحبت سے انہوں نے بڑا فائدہ اٹھایا اور تحقیق و تنقید میں پوری دلچسپی لی۔ چنانچہ ایک دفعہ جب وہ تعلیم ختم کر چکے تھے مرزا ثاقب لکھنوی اور میر انیس کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک لکھنوی شاعر کے ایک زمین و مفہوم میں کہے گئے دو شعروں کو ان کے سامنے محاکمہ کے لئے پیش کیا گیا، چنانچہ غور و خوض کے بعد انہوں نے ترجیح ثاقب کے شعر کو دی جس کا شکریہ ادا کرنے مرزا ثاقب جن کی نازک مزاجی کی شہرت تھی بنفس نفیس ان کی لکھنؤ کی قیام گاہ خاتون منزل آئے اور شکریہ ادا کیا۔ آگے چل کر انہوں نے مستقل ادبی و تنقیدی مقالات لکھے۔ ادبی اور مذہبی کتابوں پر تبصرے، تقریظیں، مقدمے، دیباچے وغیرہ لکھے اور پی ایچ ڈی کے بعض مقالات کے ممتحن بھی رہے۔ ان کی تنقیدات میں توازن اور صاف گوئی سے کام لیا جاتا ہے اور فن پارے کے محاسن و معائب دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔

اگر چہ ان کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس کو تمام تر تنقیدی مضامین و مقالات کا مجموعہ کہا جا سکے۔ ان کی خالص ادبی کتابوں میں جو انشا اور مقالات پر مشتمل ہیں کثرت سے تنقیدی مضامین ملتے ہیں۔ مثلاً مضامین عبدالماجد کے ۲۸ مشمولات میں خالص تنقیدی مضامین کی تعداد آٹھ ہے جو جاوید نامہ، ضرب کلیم، پس چہ باید کرد، اے اقوام شرق، جھوٹ میں سچ، غالب کا فلسفہ وغیرہ کے عنوانات پر لکھے گئے۔ اسی طرح سے مقالات ماجد، انشائے ماجد اور اکبر نامہ اور ان کی ریڈیو کی تقریروں میں تنقیدی مضامین کی تعداد خاصی ہے، جن میں سے کچھ بہت زیادہ مقبول ہوئے اور علمی و ادبی حلقوں نے کھل کر ان کی داد دی۔

مولانا کے مقدمات، تبصروں اور ریڈیو کے نشریوں میں ان کا مخصوص اسلوب تحریر اور انداز نقد پوری طرح جھلکتا ہے۔ ان میں ذوقی و وجدانی اور شاعرانہ رجحان کے ساتھ تنوع اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے شاعری، سیرت و سوانح، سیر و سیاحت، تاریخ ادب، ناول، تنقید، تحقیق، انشائے لطیف، قصص الانبیاء، اور دینی کتابوں پر مقدمے، دیباچے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ لکھے ہیں جن میں کچھ ان کی خود کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ اپنے مقدمات میں زیر نظر کتابوں کے محاسن اور فنی و ادبی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ہی وہ ان کی فروگذاشتوں اور تسامحات کی طرف بھی لطیف اشارے کرتے جاتے ہیں اور ان کی اصلاح و تکمیل کے لئے مفید صلاح و مشورے بھی دیتے جاتے ہیں۔ حیات اکبر، تاثرات (واحدی) دربار دربار (صدق جائسی)، گلبانگ حرم (حمید لکھنوی) کے مقدمات میں اس کے نمونے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی وہ اپنے تصور شعر و ادب، سیرت و سوانح و متن کے اقتباسات دے کر لکھنے والوں کی خوش مذاقی اور جدت کی داد دیتے ہیں اور چند مختصر مگر متوازن جملوں میں کتاب کی ادبی و علمی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے ایک مقدمے میں انہوں نے کتابیں لکھنے والوں کو دو شرائط کی پابندی کا مشورہ دیا ہے:

> ''دو شرطیں اہل قلم کے لئے ضروری ہیں ایک یہ کہ اسے اپنے موضوع پر عبور حاصل ہو اور وہ صحیح معنوں میں گھر کا بھیدی ہو محض اٹکل پچو اور سنی سنائی کتابوں پر عمارت کھڑی کر دینے والا نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ جو کچھ بھی لکھے اپنے علم و یقین کے مطابق سچ ہی سچ لکھے، مبالغہ نہ مدح میں کرے نہ قدح میں۔ مقصد محض واقعہ نگاری ہو نہ کہ ہجو یا تحسین''۔

اسی طرح وہ تحریر کی شرافت، صحت زبان، سلاست آمد اور شگفتگی پر بڑا زور دیتے ہیں۔ اسی طرح تبصروں اور ریڈیو نشریوں میں بھی مولانا عموماً توازن اور صاف گوئی سے کام لیتے ہیں۔ انہوں نے کئی سال تک (۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۸ء) ماڈرن ریویو کلکتہ میں انگریزی کتابوں پر تبصرے لکھے جس کا تعلق اسلام، قرآن، مسئلہ خلافت، تاریخی، علمی و ادبی موضوعات سے تھا۔ یہ تبصرے صاف شستہ اور منجھی ہوئی زبان میں ہوتے تھے اور ان میں کسی طرح کی رورعایت نظر نہیں آئی اور مصنف یا مترجم کی خامیوں مثلاً تعصب، غلط بیانی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنگ نظری کی طرف اشارہ کرنے سے نہیں چوکتے، اسی طرح ان کی خوبیوں مثلاً سچی تصویر کشی، قوت استدلال اور حسن بیان کی کھل کر داد بھی دی۔

کچھ یونیورسٹیوں نے مولانا کو پی ایچ ڈی کے مقالات کا ممتحن بنایا چنانچہ ان مقالات پر مولانا نے مفصل اور محققانہ رپورٹ لکھ کر بھیجی جس میں مقالوں کی خوبیوں کے ساتھ ان کی خامیوں کی نشان دہی اور مقالہ نگاروں کو ڈگری دیئے جانے کی سفارش کے ساتھ ہی ان مقالوں پر نظر ثانی کا مشورہ بھی دیا۔ انہوں نے تحقیقی مقالوں کی غیر ضروری طوالت، مبالغہ، واقعاتی غلطیوں اور لکھنے والوں کی اصول تحقیق سے ناواقفیت کی شکایت بھی کی۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں نقاد تھے، ان کے مخالفین کا اصل اعتراض ان کی گہری مذہبیت اور شدت پسندی پر تھا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مولانا پکے مسلمان تھے اور اسلامی و مشرقی اقدار کے سچے ترجمان۔ ان کی رایوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور کہیں کہیں جذبات میں غلو اور لہجہ کی خشونت بھی طبیعت کو کھٹکتی ہے مگر اس سے ان کے مرتبہ نقادی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ ادب صالح کے نمائندے تھے اور اسی معیار سے انہوں نے نقد و تبصرے کی خدمات بطور عبادت کے انجام دیں۔

وہ ایک صاحب طرز انشا پرداز اور ادیب تھے اس لئے ان کی تنقیدی تحریروں میں بلا کی شگفتگی، روانی، سلاست اور تازگی پائی جاتی ہے۔ وہ رعایت لفظی، برجستہ اشعار و مصرعوں کے استعمال کے بادشاہ تھے اور ان کے مختصر جملے اور چند سطریں بھی ادب عالیہ کے معیار پر کھرے اترتے تھے اس لحاظ سے اردو ادب میں ان کو مخصوص امتیاز حاصل تھا۔ گو اسی کے ساتھ ہی زمانہ کی ناقدری پر افسوس بھی ہوتا ہے کہ ان کو ادبی دنیا میں ان کے شایان شان جگہ نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے خصوصاً نقادوں کے طبقہ میں۔ یہ افسوسناک کمی ہندوستان و پاکستان میں مرتبہ تاریخ ادب کے تذکروں میں نمایاں ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کو بھولتے جاتے ہیں ارباب علم کو اس طرف خاص توجہ کرنا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا کو جن لوگوں نے روایتی قسم کا مولوی یا متقشف اور خشک مزاج عالم سمجھا یا بتایا وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ جیسا ان کے حالات زندگی اور علمی ارتقا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ شروع ہی سے لکھنے پڑھنے کے بے حد شائق اور حریص تھے، ہر قسم کی کتابوں کے بے قید مطالعہ خصوصاً فلسفہ، نفسیات اور مستشرقین کی تحریروں سے متاثر و مرعوب ہو کر الحاد و تشکیک کے شکار ہو گئے جس کی مدت نو دس سال تک رہی۔ پھر اللہ کے فضل سے اچھے لوگوں کی صحبت اور اچھی کتابوں کے مطالعہ سے وہ مذہب کی طرف واپس آ گئے اور پھر اپنے شوق سے اسلامی علوم و عربی کی تحصیل کی اور اپنی لیاقت اور صلاحیت کی بنا پر اپنی جگہ مستند اور راسخ العقیدہ علماء کی صف اول میں بنالی۔ ظاہر ہے کہ جو حضرات یا جماعتیں اسلام، قرآن مجید کی تعلیمات یہاں تک کہ خود مذہب و اخلاق کو نہیں مانتے اور اپنے ملحدانہ، مشرکانہ یا گمراہ کن سیاسی و معاشی نظریات کے موئید ہیں وہ مولانا کی مذہبیت اور ادب صالح سے شغف کو کیوں کر برداشت کر سکتے ہیں۔

مولانا تقلید جامد کے سخت مخالف تھے، چنانچہ اپنی تحریروں میں انہوں نے بار بار یہ لکھا کہ دنیا کی اور چیزوں کی طرح ادب میں برابر ترقی اور تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے اور عصری تقاضوں و ضرورتوں کے پیش نظر ان کو قبول کرنا چاہیئے۔ ان کا یہی نظریہ زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں تھا۔ اپنی تفسیر قرآن میں انہوں نے قدیم مفسروں سے اکثر جگہ اختلاف کیا ہے خاص کر تاریخ، جغرافیہ اور سائنسی معاملات میں اور ان کی مذہبیت، تقویٰ اور خلوص کے اعتراف کے باوجود ان کے تسامحات کی نشاندہی کی خاص کر بنی اسرائیل کے حالات میں۔ چنانچہ فرعون کی غرقابی کے لئے پرانے مفسرین کے اس خیال کی پرزور تردید کی ہے کہ وہ دریائے نیل میں غرق ہوا تھا۔ اسی طرح شاعری، ناول، افسانوں اور دیگر اصناف میں وہ قدامت پرستی کے قائل نہیں البتہ وہ مذہب و اخلاق سے روگردانی اور گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے انہوں نے متعدد تنقیدی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضامین لکھے جس میں ان کا اسلوب تاثراتی نقادوں سے قریب ہے۔ ان کا زاویہ نظر چونکہ اصلاحی اور اخلاقی ہے اس لئے وہ ہر جگہ پند و موعظت اور عبرت و نصیحت کا سامان پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کی روش یہ تھی کہ وہ کانٹوں میں بھی رنگا رنگ کے پھولوں کا نظارہ کرنے اور کرا دینے پر قادر تھے۔ چنانچہ نواب مرزا شوق کی مثنوی 'زہر عشق'، نہال چند لاہوری کے 'قصہ گل بکاولی'، مرزا رسوا کی 'امراؤ جان ادا'، پریم چند کے ناولوں بلکہ ان سے کم تر ان افسانوں اور شعروں میں جن میں واقعتاً فحش یا ابتذال پایا جاتا ہے حقائق و معارف کے موتی ڈھونڈ نکالے اور حکمت و دانش کشید کر لی۔ چنانچہ ایک مضمون میں مشرق و مغرب کے افسانوں اور شاعری کا تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگر تلاش کیا جائے تو ان مشرقی افسانوں، داستانوں اور اشعار میں جو بظاہر عامیانہ اور مبتذل سمجھے جاتے ہیں تو ان میں موعظت و اخلاق تزکیہ نفس، صفائے روح کے موتی بکثرت دستیاب ہونگے بلکہ اکثر یہ ثابت ہوگا کہ مجاز کے پردہ میں پوری داستان حقیقت و معرفت بیان ہو رہی ہے۔ حافظ کے جام و بادہ، ساقی و پیمانہ، ابرو میخانہ کے معانی سے کون ناواقف ہے؟ دراصل مشرق کا عام مذاق یہی ہے کہ رندی و عاشقی کے مصطلحات میں حقائق و معارف کی تعلیم دی جائے۔ الف لیلہ، داستان امیر حمزہ، بوستان خیال و طلسم ہوشربا اس نوعیت کی کتابوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ ان کا نام شائستہ و تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بغیر کسی شدید مضحکہ سے لیا جا سکے؟ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر کتاب باوجود خوارق عادت کے تذکرہ اور پیرایہ بیان کے ابتذال کے گنجینہ اسرار تصوف ہے''۔

مولانا روایتی طرز احساس کے مالک تھے۔ کثرت مطالعہ اور نفسیات بشری سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقفیت کی وجہ سے ان میں تنقیدی بصیرت اور وسعت نظر پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے اکبرالٰہ آبادی، اقبالؔ، مرزا سوداؔ کی تخلیقات کا بڑا اچھا اور کامیاب تجزیہ کیا اور ان کی تشریح اور توضیح صحیح تناظر میں کی۔ ان کے اسلوب تحریر کی انفرادیت ایجاز و اختصار میں ہے چنانچہ بعض اوقات ایک چھوٹے سے جملہ میں کتاب کی پوری روح کھنچ آتی ہے، مثلاً ضرب کلیم کے بارے میں یہ جملہ "ضرب کلیم کا وصف امتیازی حکیمانہ ژرف نگاہی ہے"۔ اقبال کی شاعری کی داد دیتے ہوئے ایک مضمون میں یہ لکھا "گھر کے بھید گھر کے بھیدی سے بڑھ کر کس کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں، بتکدۂ آزر پر تیشہ ابراہیمیؑ سے بڑھ کر کس کی ضرب پڑ سکتی ہے، طلسم افرنگ کو توڑنے کے لئے افسوں خواں اقبال سے بڑھ کر کون ملے گا، اسی طلسم کدہ پروردہ، اسی مے کدہ کا سرشار"۔ اور آگے چل کر یہ لکھا "اور شعر تو یہ کہا کہ اس شعر پر دوسروں کے دیوان قربان

اے بتان ابیض اے مردان غرب　　　اے جہانے در بغل بے حرب وضرب

کیا سارے کانگریسی لٹریچر میں اس سے زیادہ کچھ مل سکتا ہے؟ کیا بڑے بڑے احرار نے اس سے زیادہ کچھ کہا ہے۔

اکبرالٰہ آبادی پر مولانا نے متعدد مضامین لکھے جس کا مجموعہ اکبر نامہ یا اکبر میری نظر میں کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور ابھی حال میں اس کا نیا اور عمدہ ایڈیشن نکلا ہے۔ جس میں انہوں نے اکبر کے کلام و پیام پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ زمانہ طالب علمی سے اکبر کے انتقال تک دس گیارہ سال کی مدت میں ان کے اکبرالٰہ آبادی سے خصوصی تعلقات رہے اور ان کی صحبت و حکیمانہ تربیت سے انہوں نے بڑا فیض اٹھایا۔ اکبر صاحب ان کے ساتھ بڑی شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی صلاحیت و استعداد کے معترف تھے، چنانچہ الحاد سے مذہب کی طرف مراجعت میں انہوں نے حضرت اکبر سے خاصا اثر قبول کیا۔ انہوں نے کلام اکبر کو براہ راست اکبر کی زبان سے سنا اور سمجھا، اس لئے ان کا شماران کے مستند و معتبر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شارحوں میں کیا جاتا ہے۔ وہ اکبر صاحب کے کمال شاعری کے قائل تھے اور اس کے بعد ان کو ظریف، مصلح اور معلم اخلاق سمجھتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں

''ان کی مجلس میں مضراب کے گلاس گردش میں رہتے ہیں، خوش مزہ یخنی کے پیالے تقسیم نہیں ہوتے۔ اس رند پاکباز کی کرامت ہے کہ حلق سے اترتے ہی وہ شراب خانہ خراب نہیں رہ جاتی شراب طہور بن جاتی ہے''۔

ان کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکبر کی شاعری، شوخ طبعی، مطالب کی بلندی اور حسن صناعت کے قائل تھے، انہوں نے قصہ گل بکاولی، مثنوی زہر عشق، راشد الخیری اور خواجہ محمد شفیع کے افسانوں، مرزا رسوا اور پریم چند کے ناولوں کی حکمت و معنویت، درس حکمت معرفت اور پاکیزگی کو کھل کر خراج تحسین ادا کیا ہے۔ ادب کے بارے میں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں اپنا معیار (آئیڈیل) یہ بتایا ہے:

''اصل شئے ہے صالح لٹریچر یا ادب شریف کی تیاری، فراہمی، ترویج و اشاعت، ادب شریف سے مراد ہیں نثر اور شعر کی وہ ادبی خدمات جنہیں شریف مرد، شریف بیویاں، شریف بچے اور بچیاں ہر ملت اور ہر قوم کی پڑھ سکیں، پڑھا سکیں، سن سکیں، بدمذاقی کو مٹایئے، صفائی ستھرائی کو پھیلایئے''۔

اسی طرح ایک اور مضمون میں ایسے انداز بیان کی تعریف کی ہے جو سادہ اور بے ساختہ ہو جس میں ہلکے پھلکے فقرے، نرم، شیریں، رسیلی عبارتیں ہوں نہ کہیں اصطلاحات کا ثقل، نہ کہیں ادق لغات کے پتھر اور نہ کہیں مغلق اور پیچ دار ترکیبوں کا بار۔

یہی وجہ ہے کہ ان کو ایسے نثر نگار، شاعر، ناول اور افسانہ نویس، ڈرامہ نگار بالکل پسند نہیں آتے جن کے یہاں کسی قسم کا ابتذال، غیر شریفانہ انداز بیان، کسی بھی قسم کی عریانی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے باکی یا فحاشی پائی جاتی ہو یا غیر اخلاقی اعمال اور مذہب و شرافت کے خلاف جملوں کو خوشنما ادب میں پیش کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سجاد انصاری کی محشر خیالی، رشید جہاں و سجاد ظہیر کے انگارے، نیاز فتحپوری کی اسلام دشمن تحریروں، سعادت حسن منٹو، میراجی، کرشن چندر، عظیم بیگ چغتائی اور یگانہ چنگیزی کی تخلیقات کے خلاف زور شور سے مہم چلائی اور قومی و ملی پریس اور عوامی رائے کو ان کے خلاف آواز اٹھانے کی دعوت دی۔ اگر مختصر طور پر مولانا کے تصور شعر و ادب یا ان پر تنقید کے معیار کو بیان کیا جائے تو اس کے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ شعر و ادب میں برجستگی، سلاست آمد کے ساتھ گہرائی مطلب و خیالات کا عمق بھی ہونا چاہیئے۔

۲۔ دشوار پسندی اور مغلق عربی و فارسی الفاظ و ترکیبوں سے احتراز کرنا چاہیئے، صحیح اور بامحاورہ زبان لکھنا چاہیئے۔

۳۔ ادب و شعر کو فحش اور عریانی سے پاک و صاف ہونا چاہیئے اور جہاں ایسی مصوری ناگزیر ہو تو اس کے لئے رمز و کنایہ کا اسلوب اپنانا چاہیئے۔ مبالغہ آرائی، گل و بلبل کی روایتی شاعری اور مغرب کی نقالی کسی طرح محمود یا مستحسن نہیں کہی جا سکتی۔

۴۔ زندہ ادب اور حقیقی شاعری وہی ہے جو حق کی طرف بلائے، بدی کی مخفی راہوں کو ظاہر کرے اور تہذیب نفس و تزکیہ باطن کا فریضہ انجام دے۔

۵۔ واقعہ نگاری، اخلاص، خدمت خلق، مذہب اور وطن پروری کے جذبات کو فروغ دینے والا ادب صحیح معنوں میں ادب صالح یا شریف ہوتا ہے جس کی تیاری اور مطالعہ عبادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

ہندوستان و پاکستان کے کچھ ممتاز نقادوں نے ایک طرف تو مولانا کی تنقید نگاری کے منفرد اسلوب تحریر، عالمانہ ہمہ گیری، جمالیاتی قدروں اور جذباتیت کی تعریف کی ہے مگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف ان کے مذہبیت کے غلو اور لہجہ کی خشونت کی شکایت بھی کی ہے اور کچھ حضرات نے طعن وطنز کے ساتھ ان کے مذہبی جوش اور معیاری اخلاق پسندی کا مذاق بھی اڑایا ہے۔ ان کے مشہور مضامین میں مرزا رسوا کے قصے کچھ ادھر سے کچھ ادھر سے، اردو کا واعظ شاعر، پریم چند، نیا آئین اکبری، ایک بزم مشاعرہ کی غیر شاعرانہ صدارت، خطوط محمد علی، غالب کا فلسفہ، دلم در عاشقی شد آوارہ، شکوہ اور جواب شکوہ، آدمی نامہ، دانش حاضر، نٹشے، رومی اور اقبال، قبالیات ماجد، لہو کے پھول، امراؤ جان ادا وغیرہ ہیں، ان مضامین کے تنوع سے ان کی تنقیدی بصیرت وامتیاز کا پتہ چلتا ہے۔ خالص تنقیدی مضامین کے علاوہ بہت سی کتابوں اور رسالوں پر تبصرے، مقدمے وغیرہ ان کے ہفتہ وار اخبار سچ، صدق اور صدق جدید میں شائع ہوتے رہے اور ان کو علمی وادبی حلقوں میں خاصا پسند کیا گیا۔

ان سطور کے راقم نے مولانا کے تقریباً ڈھائی سو ادبی تبصروں کو تبصرات ماجدی ادبی کے نام سے مرتب کیا ہے جو عنقریب اردو کونسل برائے فروغ اردو، حکومت ہند کی طرف سے شائع ہونے والی ہے۔ اس قسم کے تبصرے اور تنقیدی مضامین ہندوستان اور پاکستان کے مشہور اور مستند ادبی رسالوں مثلاً ادیب، الناظر، ہندوستانی، آجکل، نقوش، مسلم یونیورسٹی میگزین وغیرہ میں کثرت سے شائع ہوتے رہے اور داد وتحسین حاصل کرتے رہے۔

اگر ان کی تنقیدات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ان کی وسعت علم اور وسیع تنقیدی تناظر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اپنے الحاد کے زمانہ میں وہ مغربی فلسفہ وعلوم سے مرعوب اور مذہب کے مخالف تھے اور یہی رنگ ان کی تنقیدات میں ظاہر ہوتا ہے مگر مذہب کی طرف مراجعت کے بعد ان پر یا جوجی تمدن اور مغربی تہذیب کی بے وقعتی اور کھوکھلا پن واضح ہوگیا اور ان کی تنقید میں مذہبی واخلاقی عناصر کا غلبہ ہوگیا۔

مولانا کی ابتدائی ادبی تربیت میں شبلی کا بڑا گہرا اثر پڑا اسی لئے ان کی تنقید میں ان کے تصورات کی چھاپ نمایاں ہے خصوصاً شعر فہمی میں۔ شاعری کے بارے میں ان کا تصور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلاسیکی ہے یعنی اسی شاعر کی آواز الہامی کہی جاسکتی ہے جو ایمان و بصیرت کی روشنی میں حقیقت و معرفت کی تعلیم دے۔ اس ضمن میں وہ شاعروں میں مولانا روم، شیخ سعدی، شیرازی، غالب، حالی، اکبر الہ آبادی اور اقبال کے نام اور کلام کو پیش کرتے تھے۔ اسی طرح نثر میں مولانا شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی، اکبر الہ آبادی، مرزا رسوا، مولوی نذیر احمد کی شستگی اور متانت کو مستند اور قابل تقلید سمجھتے تھے۔ ان کے اشعار کی معنویت اور بلاغت کے بڑے قدر دان تھے۔ انہوں نے حکیم مشرق اور ایک عارف باللہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے جن کی شخصیت اور فن میں توحید و عرفانیت خوب رچ بس گئی تھی۔ انہوں نے اکبری تلمیحات اور اشاروں اور کنایوں کی بڑی اچھی تشریح کی اور ان پر کئے گئے حملوں اور اعتراضات کا معقول و مدلل جواب دیا۔

تنقیدی مضامین کے ساتھ ساتھ مولانا نے اپنے ریڈیو نشریات میں مختلف علمی و ادبی گفتگوئیں (Talks) کیں وہ اپنی دلچسپی اور تازگی کے لحاظ سے بے مثل ہیں۔ انہوں نے خاص توجہ کر کے نشری تقاضوں اور محکمہ ریڈیو کے ضوابط کے مطابق ہلکے پھلکے، رواں اور شگفتہ بول چال میں اپنی تقریریں نشر کیں جو تقریر اور مقالہ سے بالکل الگ اور منفرد تھیں کیونکہ بقول ان کے یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ مولانا نے کئی تنقیدی نوعیت کی تقریریں میر تقی میرؔ، غالب، خسرو، نظیر اکبر آبادی، اکبر، الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، توبۃ النصوح، امراؤ جان ادا، اردو میں ادبی سوانح عمریوں پر آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیں جس کو سننے والوں نے بہت پسند کیا۔ ان کا پہلا نشریہ 'ہماری زندگی اور اس کے رنگ ڈھنگ' کے نام سے لکھنؤ سے نشر ہوا جس میں انہوں نے مغربی معاشرہ کی خود غرضیوں اور مادیت پسندی کا پردہ بڑی خوبی سے چاک کیا۔

انہوں نے کتابوں پر تبصرے مختلف رسالوں اور اخبارات میں لکھے ان کے اپنے ہفتہ وار اخبارات میں ''نئی کتابوں'' کا کالم ہوتا تھا جن میں ان کے قلم سے لکھے ہوئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبصروں کو وقعت وقدر کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے تبصروں میں حسن انشاء، صاف گوئی، توازن اور وسعت علم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن میں اصولی گرفتیں کی گئی ہیں۔ صحت زبان وروزمرہ کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے اور ذاتی حملوں سے پرہیز کیا گیا ہے۔

اپنی تنقیدوں کی بنا پر مولانا کا شمار اردو کے اعلیٰ مستند نقادوں میں کیا جاتا ہے حالانکہ وہ ادب اور تنقید کی طرف اپنی مذہبی مصروفیات خصوصاً خدمات قرآنی میں انہماک کی وجہ سے پوری توجہ نہ دے سکے مگر اس کے باوجود انہوں نے اردو تنقید کو بہت کچھ دیا اور ان کی خدمات کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے خیالات اور رایوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، کہیں کہیں ان کی تنقیدوں میں خشونت یا غلو کی جھلک بھی ملتی ہے مگر عام طور پر انہوں نے معروضی وتاثراتی تنقید کے اصولوں کی پیروی کی اور جدیدیت وترقی پسندی اور مغرب کی نقالی کے رویوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ ان کا انداز تنقید تمام تر مشرقی ہے۔ کچھ نقادوں مثلاً پروفیسر سید احتشام حسین اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے مولانا کی تنقیدوں اور ان کے اسلوب پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان کا انداز نقد رومانی اور جذباتی ہے جو تنقید کے لئے موزوں نہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کا کہنا ہے ''مولانا عبدالماجد پر مذہب کا بڑا گہرا اثر ہے وہ بغیر مذہب کا سہارا لئے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتے''۔ یہی شکایت آل احمد سرور کو بھی تھی۔ یہ اعتراضات ایک حد تک یا جزوی طور پر صحیح ہو سکتے ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کی تنقیدات ذوقی وجدانی اور شاعرانہ رجحان کے ساتھ طاقت لسانی اور گہری ادبی بصیرت سے معمور ہیں۔ انہوں نے صرف تاثرات سے کام نہیں لیا بلکہ تحلیل وارتقاء تاریخی وتہذیبی منظر کا تجزیہ وتقابل بھی کیا، جس کی وجہ سے ان کی تنقید کی انفرادیت اور ادبی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دینی وقرآنی خدمات

مولانا نے الحاد سے مذہب کی طرف واپسی کے بعد عربی وعلوم اسلامیہ کی طرف توجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اور بلا کسی مدرسہ یا دارالعلوم میں گئے ہوئے محض اپنی محنت اور شوق سے ان پر پورا عبور حاصل کیا اور اپنی جگہ ملت کے ممتاز اور مستند عالموں میں بنالی، چونکہ وہ عصری علوم، تہذیب مغرب، مستشرقین کی کاروائیوں سے بخوبی واقف تھے اس لئے انہوں نے بڑی کامیابی سے مذہب اسلام کی حقانیت اور کتاب وسنت کی مداومت و مدافعت کی۔ ان کا شمار ان چند گنے چنے بیدار مغز مسلمان علماء میں سے تھا جن کو تہذیب جدید کی گمراہیوں، مادہ پرستی، مستشرقین کے جال وفریب اور متعدد اسلام دشمن تحریکوں کا پورا اندازہ تھا اور جنہوں نے اس بے پناہ سیلاب پر بند باندھنے کی حتی المقدور کوششیں کیں۔ چنانچہ کہیں وہ جمہوریت، کہیں استعماریت، کہیں اشتراکیت، کہیں سیکولرازم اور کہیں الحاد، بے دینی اور فحاشی کے خلاف جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ مولانا پر خود ایک زمانہ میں مستشرقین اور تہذیب مغرب کا جادو چل چکا تھا اس لئے وہ ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں اور فتنوں سے بخوبی واقف تھے اور ان کا قلم ہمیشہ ان کے خلاف حرکت میں رہا۔ انہوں نے قرآن مجید، سیرت نبوی، احادیث، فقہ وکلام اور دیگر علوم اسلامیہ کی کتب کا مطالعہ کیا اور ان کی مدد سے تفحص وتحقیق کا ایک اعلیٰ معیار اپنے سامنے رکھا اور اپنی تصنیفات خصوصاً ترجمہ وتفسیر قرآن کے ذریعہ مذہب وملت کی بڑی خدمت انجام دی۔

مذہب کی طرف واپسی کے بعد چند سال انہوں نے تصوف کے کوچہ کی سیر کی اور مشہور درگاہوں اور خانقاہوں کے چکر لگائے، اسی زمانہ میں انہوں نے تصوف اسلام پر ایک کتاب لکھی جس میں اجمال کے ساتھ تصوف کے نمائندوں کی تحریروں کی تلخیص پیش کی اور حقیقی تصوف کی تشریح کی۔ اس کے بعد اپنے مضامین اور پھر اپنے ہفتہ وار اخباروں کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کی، تہذیب مغرب کی بے قیمتی خلافت، ہندو مسلم اتحاد، اردو اور مشرقی اقدار وتحفظ کے قابل قدر کام انجام دیئے۔

عالم دین کی حیثیت سے وہ ایک ممتاز مرتبہ کے مالک تھے۔ ان کا تصور جامد ذہن کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیداوار نہ تھا، وہ چونکہ عذاب دانش حاضر کی منزلوں سے پوری طرح باخبر تھے اس لئے انہوں نے اسلام کی موزوں ترین تعلیم وتشریح کی، ان کا مذاہب عالم کا مطالعہ عمیق تھا، صحف سماوی پر نظر گہری تھی، مستشرقین اور مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے زہریلے پروپیگنڈے اور معاندانہ چالوں کا پردہ چاک کرتے رہتے تھے۔ وہ قدیم ذہنیت کے علماء کے شاکی تھے جو تقلید جامد پر ایمان رکھتے تھے اور نئے فتنوں خصوصاً مستشرقین اور مغربی حکماء وفلاسفہ کی زہریلی تحریروں اور ریشہ دوانیوں سے بے خبر رہتے تھے۔ عہد جدید کے تازہ انکشافات وایجادات کی وجہ سے جو اشکالات پیدا ہو رہے تھے ان کے دور کرنے کے لئے مولانا ہمیشہ کوشاں رہے اور کلام مجید کی بلاغت اور اسلام کی حقانیت کو مضبوط استدلال سے بلا کسی جھجک کے پیش کرتے رہے۔ مسلم ثقافت، اسلامی قوانین اور اس کے تنقید کے تقاضوں کو بخوبی سمجھتے تھے اور ان کا ذہن اور موقف اس بارے میں بالکل صاف اور واضح تھا کہ مقامی اثرات وعوامل کو صرف اس صورت میں قبول کیا جا سکتا ہے جب وہ کتاب وسنت کی روح کے منافی نہ ہوں۔ وہ اپنے معاصر اور فقہاء کی تنگ نظری اور عصری تقاضوں سے بے خبری پر بڑے متاسف رہتے تھے۔ انہوں نے بار بار اپنی تحریروں اور پیغامات میں یہ رائے ظاہر کی....

> ”کہ صاحب نظر وبصیرت فقہائے اسلام مل کر بیٹھیں اور جدید اور عصری حالات کا پورا جائزہ لے کر کتاب وسنت کی روشنی میں ایک مکمل جامع ضابطہ تیار کریں جس کا اجراء حکومت اسلامی کرے“۔

چنانچہ ارباب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ان کے بار بار توجہ دلانے پر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کو قائم کیا جس کا اہم کام یہ تھا کہ وہ جدید مسائل مثلاً انشورنس، فوٹو، خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ کا اسلامی حل اجماع ومشاورت سے نکالے۔ اسی طرح پاکستان میں حدود اسلامی کے نفاذ کے بارے میں انہوں نے وہاں سے آئے ہوئے سوالنامہ کا مفصل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حقیقت مندانہ جواب دیا جس میں یہ کہا گیا:

> ''ان سزاؤں کو نافذ کرنے سے پہلے ملک اور معاشرہ میں صالح ماحول پیدا کرنا ضروری ہے جہاں فسق و منکرات کی کسی طرح ہمت افزائی نہ کی جائے اور ترغیبات و محرکات گناہ کی مناسب طور پر بیخ کنی کی جائے''۔

آج کل کے اکثر مغربی تعلیم یافتہ حضرات اس شبہہ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ بدلتے ہوئے عصری حالات اور ترقی کے تقاضوں کو اسلام اور قرآنی تعلیمات کما حقہ' پورا نہیں کر سکتیں، ایسے ایک سوال کے جواب کا وافی و شافی جواب مولانا نے اپنے ہفتہ وار اخبار ترقی جدید میں یوں دیا:

> ''اس دعویٰ میں دوہرے مغالطے موجود ہیں کہ کائنات کی ترقی پذیری کے ساتھ لازماً مذہب و اخلاق کو بھی ترقی پذیر ہونا چاہئے۔ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ہر تغیر ترقی ہی ہے۔ بہت سے تغیرات رجعت یا تنزل کی قسم کے بھی ہوتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جو کچھ مشاہدہ میں آیا ہے وہ عالم کی صرف تغیر پذیری ہے۔ ہر جہتی، معنوی، جوہری تغیر پذیری پر کوئی دلیل قائم نہیں، نہ عقلی نہ تجربی۔ موجودات کی صورت شکل قالب Form میں تغیر بے شک ہر لحظہ ہر آن ضرور ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنیادی حقائق بھی بدلتے ہوں۔ تمدنی حقائق کے جزئیات و تفصیلات برابر بدلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ انہیں پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ قرآن کریم میں ان سب مراتب کے برتنے سے متعلق ہدایات موجود ہیں اور انہیں کا نام نصوص ہے، لیکن ان نصوص کے اندر (اور یہ بھی قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریم کا اعزاز ہے) لچک بھی اس حد تک موجود ہے جس حد تک موجودات تکوینی میں تغیر یا ترقی ممکن ہے۔ قطبین پر روزہ رکھنے کی کیا صورت ہوگی، وہاں نماز کے اوقات کیوں کر متعین ہونگے۔ ہوائی جہاز میں سمت نماز اور اوقات نماز کا کیا نقشہ ہوگا۔ بیع، تجارت اور عام معاملات کی جو نئی نئی صورتیں پیدا ہو چکی یا ہو رہی ہیں ان کے احکام کیا ہونگے، غرض ان سب کے جوابات کتاب وسنت ہی کی روشنی میں پوری طرح دستیاب ہو جائیں گے"۔

اسی طرح مولانا نے مذاہب عالم کے بارے میں بیسیوں تحقیقی مضامین لکھے جن سے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچا اور انہیں صحیح و مستند معلومات فراہم ہوئیں مثلاً 'دین مسیح پر تازہ روشنی'، 'بائبل کی ایک جھلک'، 'انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'، 'زہر کی آمیزش'، 'قتل مسیح سے یہود کی بریت' وغیرہ۔ وہ اسلام کو ایک آفاقی، عالمگیر اور فعال مذہب سمجھتے تھے کیونکہ اور دوسرے مذاہب نسلی یا گروہی تھے جن کا پیغام محدود اور عارضی تھا۔ اس بارے میں ایک مضمون میں انہوں نے لکھا:

"یہ حرکت اور زندگی جو اس مذہب میں ہے اس کی نظیر کہیں اور ملے گی؟ یہ چوبیس گھنٹوں والا زندہ، بیدار، متحرک اسلام ہی ہے یا کوئی اور؟ اس مستمر، مستقل، ہمہ وقتی، ہمہ جہتی، ڈسپلن، بیداری، چستی، مستعدی کی مثال دنیا کی کس بڑی سے بڑی ڈسپلن والی فوج میں ملے گی؟ ..... حیف ہے کہ جس قوم یا امت کے اندر اتنا زبردست نظم ایسی عظیم الشان تنظیم موجود ہوں اس کے افراد کا راز حیات کے کسی معرکہ، کسی میدان میں بھی سست، کاہل، پست ہمت، ناکارہ، غافل اور خوابیدہ ثابت ہو"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امت مسلمہ کی ناکامی کے بارے میں مولانا کا وہی موقف تھا جس کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں واضح کیا ہے۔

صورت شمشیر دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا احتساب

مولانا بار بار احتساب نفس، اپنے اعمال و اخلاق کے مواخذہ کی طرف توجہ دلاتے تھے اور اس احساس کے فقدان پر اظہار تاسف کرتے تھے۔

انہوں نے ساری زندگی اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین المسالک کی کوشش میں گزار دی۔ جب کبھی معاصر علماء سے بھی اختلاف کیا تو وہ نظری اور انکے قول پر مبنی ہوتا تھا اور شخصی یا ذاتی بالکل نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً تحریک اسلامی کے بانی مولانا مودودی کی خدمات کے اعتراف میں ان کو متکلم اسلام کا خطاب دیا، مگر پھر ان کی رایوں اور سیاسی کاوشوں سے کھل کر اختلاف کیا، مگر اسی کے ساتھ ہی جب علماء دیوبند جس میں ان کے مرشد مولانا حسین احمد مدنی بھی شامل تھے ان کی تکفیر کی تو مولانا نے ان سے شدید اختلاف کیا اور مولانا مودودی کے اس موقف کی توثیق کی کہ رسول خداؐ کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر یا معیار حق نہ سمجھنا چاہیئے۔

انہوں نے تمام عمر کسی شخص کی تکفیر نہ کی اور گمراہ فرقوں کے اقوال کی کمزور سے کمزور تاویل کی بنا پر ان کو خارج از اسلام نہیں قرار دیتے تھے۔ چنانچہ قادیانیوں اور خاص کر لاہوری احمدیہ جماعت کے ساتھ ان کا رویہ آخر کے تین چار سال کو چھوڑ کر رواداری اور ہمدردی کا رہا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے دور الحاد میں محمد علی لاہوری کی انگریزی تفسیر قرآن انہیں اسلام کی طرف لانے میں معین ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ احمدی جماعت کی تبلیغی کوششوں اور قوت عمل کی بھی داد دیتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ ان کی گمراہی کے باوجود ان کی خدمات کا اعتراف بھی ضروری ہے کیونکہ یہ حق و انصاف کا تقاضہ ہے، یہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقف ان کا مسلمانوں کے دیگر گمراہ فرقوں کے بارے میں تھا اور ان کے نزدیک کسی کلمہ گو کی تکفیر حق بجانب نہیں۔ ۱۹۵۳ء میں جب پاکستان میں قادیانیت کے خلاف زبردست تحریک چلی تو انہوں نے جمہور اہل پاکستان کے جذبات کی تعبیر تنگ نظری سے کی اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے فیصلہ کی تائید نہیں کی۔ البتہ انتقال سے تین چار سال قبل انہوں نے دونوں قادیانی جماعتوں کے بارے میں اپنے موقف میں تبدیلی کی جس کی شہادت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس طرح پیش کی ہے:

> ''مولانا دریابادی اپنی اجتہادی غلطی یا کسی غلط فہمی کی بنا پر قادیانیوں کی لاہوری جماعت کو زیادہ گمراہ نہیں سمجھتے تھے مگر بعد میں ان کی رائے بدل گئی تھی اور وہ قادیانیوں کی دونوں جماعتوں کو گمراہ سمجھنے لگے تھے''۔

بحیثیت عالم دین ان کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر انگریزی اور اردو ہے۔ مولانا برا عظم صغیر کے واحد عالم ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی یہ خدمت دو دو زبانوں میں انجام دی جس کا شمار مستند اور جمہور کے لئے قابل قبول مترجموں اور تفسیروں میں کیا جاتا ہے۔ اور بعض خصوصیات کی بنا پر اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ان کی تفسیر ماجدی (انگریزی-اردو) ان کی دقت نظر، وسعت مطالعہ، قرآن فہمی، تدبر فی الآیات، تمسک بالسنۃ کا شاندار نمونہ ہے جس میں بیک وقت قدیم و جدید علوم و نظریات کی روح سموئی ہوئی ہے، وہ کسی دینی مدرسہ کے فارغ نہ تھے اس کے باوجود خدا کے فضل اور اپنی ذہانت اور محنت کی وجہ سے ان کا شمار صف اول کے مفسرین میں کیا جاتا ہے۔

مولانا کو تھانہ بھون کے حلقہ تربیت میں آنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن مجید کے ایسے ترجمہ وتفسیر کی انگریزی زبان میں ضرورت ہے جو جمہور امت کے عقائد کے مطابق ہو۔ ان کی آتش شوق کو بڑھانے میں ان کے ایک ہم عصر اور دوست مولوی سراج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحق مچھلی شہری نے بڑا حصہ لیا جو مولانا اشرف علی تھانویؒ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ خود مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس خیال کی تائید کی، چنانچہ تھوڑے حیص بیص و تامل کے بعد مولانا نے اپنے ہفتہ وار اخبار سچ کو بند کر کے ۱۹۳۳ء میں انگریزی ترجمہ و تفسیر کا عظیم الشان کام تن تنہا شروع کیا اور پانچ چھ سال کی سخت محنت کے بعد مکمل کر لیا۔ اس کی اشاعت کی ذمہ داری تاج کمپنی لاہور نے لی اور دو پارے شائع بھی کر دیئے۔ اس کے بعد جنگ عظیم، تقسیم ملک کے مصائب اور مختلف وجوہ سے اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور اس سے بڑھ کر کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر صاحب نے طرح طرح کے حیلوں اور ترکیبوں سے مولانا کو ذہنی اذیت پہنچائی اور تقریباً بائیس سال کے بعد انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن شائع کیا۔ اس کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے بے شمار کتابوں کی مدد لی جس میں پہلے کے کئے ہوئے انگریزی ترجمہ و تفسیر، انسائیکلوپیڈیا، ڈکشنریاں اور حوالہ کی مستند کتابیں شامل ہیں

مذاہب عالم اور عصری علوم کی واقفیت اور انگریزی و عربی پر عبور رکھنے کی وجہ سے خاطر خواہ جدید ترین معلومات فراہم کر دی ہیں، اسی کے ساتھ ہی کہیں بھی تفسیر بالرائے یا مرعوبیت و معذرت خواہی کی جھلک نہیں ملتی۔ جس کی وجہ سے ان کی تفسیر مستند اور معتبر ہے۔ انگریزی میں ترجمہ و تفسیر کرنے والوں میں عام طور پر یہ کمی یا کمزوری دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ جنت دوزخ، حور و غلمان اور جنت کی نعمتوں کے ذکر میں شرمساری اور معذرت خواہی کا لہجہ اختیار کرتے ہیں اور ان کو رمز آسائش یا محاوری تعبیر کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ مولانا نے ایک مومن صادق کی طرح ان حقائق کو پورے عزم و اعتماد کے ساتھ پیش کیا اور یہودیت و عیسائیت کی تحریفات کو بے نقاب کیا اور تاریخی حیثیت سے قرآن مجید کے قصوں اور واقعات کی صحت ثابت کی اور حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت لوطؑ، حضرت مسیحؑ اور دیگر پیغمبران عظام کی عصمت و عظمت کی مدلل وضاحت کی۔ مولانا کا ترجمہ و تفسیر نہ صرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پختہ مسلمانوں کے ایمان کو پختہ تر بناتا ہے بلکہ یوروپی ومغربی تعلیم سے متاثر ومرعوب مسلمانوں کو شک وشبہہ کی دلدل سے نکال کر اسلام کی صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔اس کی اشاعت کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے انگریزی اور اردو اخبارات ورسائل میں ان کے عمدہ ترجمے اور جامع وکارآمد حواشی کی تعریف کی گئی۔

یہ واقعہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں آسان نہیں، خاص کر الفاظ کے مختلف مفہومات، اصطلاحی زبان کی رعایت اور قرآنی متن کو کمال احتیاط کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کرنا۔مبصرین کی رائے میں مولانا بالعموم ان تمام منزلوں کو کامیابی سے طے کر گئے ہیں اور اس لئے ان کے ترجمے وتفسیر کو عبداللہ یوسف علی، پکتھال وغیرہ پر فوقیت حاصل ہے۔

انگریزی تفسیر وترجمہ کی تکمیل کے بعد مولانا نے اردو ترجمہ وتفسیر کا کام شروع کیا۔ انگریزی کے مقابلہ میں یہ زیادہ مفصل تھی۔اس میں مولانا کو سب سے زیادہ مدد مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن سے ملی، خاص کر فقہی مسائل کے سلسلہ میں، چنانچہ آپ بیتی میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میرا ترجمہ تو کہنا چاہیئے کہ ۷۵ فیصدی اسی ترجمہ اشرفیہ کی نقل ہے اور تفسیری حصہ میں فقہیات بڑی حد تک میں نے بیان القرآن سے لی ہیں''۔

ان کی اردو تفسیر چار سال میں یعنی ۱۹۴۴ء میں مکمل ہوگئی اور اس کی اشاعت بھی تاج کمپنی لاہور نے کی مگر اس میں ۱۸ سال کی لمبی مدت لگی۔اس کے پہلے ایڈیشن پر مولانا نے نظر ثانی کی جس میں تقریباً ۴۰ فیصدی حصہ حک واضافہ کے بعد نیا ہوگیا تھا مگر افسوس ہے ان کی زندگی میں دوسرے ایڈیشن کے صرف گیارہ پارے شائع ہو سکے۔نظر ثانی شدہ مکمل ایڈیشن، ندوۃ العلماء کی مجلس تحقیقات اسلامی شائع کر رہی ہے، تین جلدیں چھپ چکی ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جلد ہی آخری یعنی چوتھی جلد چھپ جائے گی۔ انگریزی ترجمہ وتفسیر کا مکمل دوسرا ایڈیشن مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء نے چار حصوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے پیش لفظ کے ساتھ چھاپا، اور اس کا تیسرا ایڈیشن جس میں خاص توجہ یہودیت وعیسائیت سے تقابل پر دی گئی ہے، اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر نے Glorious Quran کے نام سے شائع کیا ہے جو یورپ اور امریکہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اب اس کا ہندوستانی ایڈیشن بھی لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ترجمہ تو اصل والا قائم رکھا ہے البتہ تفسیر حواشی کم کر دیئے ہیں۔ اس کی ایڈیٹنگ وترتیب کی سعادت مولانا مرحوم کے نواسے اور پوتے ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو حاصل ہوئی۔

تفسیر ماجدی اردو وانگریزی میں سلف صالحین کی تفاسیر اور لغات سے استفادہ کیا گیا ہے جن کی تعداد ۲۵ ہے اور جو سب کی سب ادبی، انشائی اور حنفی نقطۂ نظر سے نہایت مستند اور معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ اردو تفسیر میں مولانا نے سب سے زیادہ فائدہ مولانا تھانوی کی بیان القرآن سے اٹھایا جو بقول ان کے علوم معارف سے لبریز ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ان کے جامد مقلد تھے۔ چنانچہ ان کی کتاب حکیم الامت نقوش وتاثرات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کئی مقامات پر انہوں نے ان سے اختلاف کیا خاص کر تاریخی اور جغرافیہ کے معاملات میں، اس کا ذکر انہوں نے تفسیر کے دیباچہ میں بھی کیا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

> ".....ان حضرات (قدیم مفسرین) کی تحقیق وتلاش کی داد دل سے دینا چاہیئے، ان کے فضل وکمال، تبحر علمی کا پورا احساس رکھنا چاہیئے، ان کی عظمت واحترام کے اعتراف میں تامل ذرا سا نہ کرنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ عقیدہ بھی تازہ رکھنا چاہیئے کہ معصوم بجز نبی کے اور کوئی نہیں۔ امت کے بڑے سے بڑے محققین بھی غیر معصوم ہی ہیں۔ کسی ایک کے بھی ہر قول کی تقلید ہر حال میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنکھ بند کر کے کرتے رہنا اور دلیل صریح کے باوجود بھی کیے جانا ہرگز طریق ثواب وصواب نہیں لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ دوسروں کی عصمت کا انکار کر کے خود اپنی عصمت پر عقیدہ جما لیا جائے اور اپنی تحقیق پر جزم وجمود کے ساتھ اعتماد کر لیا جائے''۔

قرآن مجید کی تفسیر کے جدید عصری تقاضوں کے بارے مولانا نے اپنی تفسیر کے افتتاحیہ میں چند بڑی تجربہ کی حکیمانہ باتیں کہی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''لازم ہے کہ جدید مفسر وشارح تاریخ اقوام پر بھی نظر رکھتا ہو اور جغرافیہ عالم پر بھی اور یہودیت، نڈرانیت، مجوسیت اور عرب ونواح عرب کے شرکیہ مذاہب سے بھی فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو، اور جدید سائنس کے مختلف شعبوں خصوصاً فلکیات سے بھی مطلقاً بے بہرہ نہ ہو ورنہ باوجود تدین وتقویٰ صالحیت ومقبولیت کے سخت علمی غلطیوں کا شکار ہو جائے گا۔ اس کا قلم کبھی فرعون اور لشکر فرعون کی غرقابی کو بجائے بحر قلزم کے دریائے نیل میں دکھائے گا، کہیں حضرت مسیحؑ کا تلوار سے قتل ہونا بیان کرے گا اور کہیں فرعون کو کسی شخصی تاجدار کا شخصی نام سمجھ کر دعویٰ الوہیت اس شخصیت کی جانب منسوب کرنے لگے گا''۔

ان ہی باتوں کو انہوں نے بمبئی میں انجمن اسلامیہ کی دعوت پر کچھ لکچروں میں بڑے لطیف انداز میں پیش کیا۔ یہ لکچر کتابی شکل میں ''قصص ومسائل'' نامی کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں انہوں نے مدراس میں ''مشکلات القرآن'' یا ''قرآنی مطالعہ بیسویں صدی میں'' پر کچھ بصیرت افروز لکچر بھی دیئے جن کو کتابی شکل میں اسی نام سے اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن مدراس نے شائع کیا جس میں ان باتوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

تفسیر نگاری کے فیضان میں مولانا کے قلم سے چند اور کتابیں نکلیں جن کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ قصص و مسائل :- (۱۹۴۴ء) اس کتاب میں مولانا نے قرآن حکیم کے چند اہم مباحث مثلاً قوم و امت، بنی اسرائیل (نسل) اور یہود مذہب کے درمیان فرق، حضرت موسیٰ کو بارہ چشموں کے بارے میں ہدایت الٰہی، سمت پرستی کا شرک، ہاروت و ماروت کی حقیقت وغیرہ کو بڑے دلنشیں انداز میں سمجھایا ہے۔ یہ مسائل تفسیر ماجدی میں بھی موجود ہیں، بنی اسرائیل کو توضیح کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

> "..... بنی اسرائیل نام کسی مذہب و دین کا نہیں، کسی عقیدہ و آئین کا نہیں، نام ہے ایک مخصوص نسل کا، اس لئے امت اسلامی اور قوم اسرائیل کے درمیان تقابل کا کوئی سوال ہی سرے پیدا نہیں ہوتا اور قرآن کے جن طلبہ نے ان بحثوں کو چھیڑ دیا ہے وہ بیچارے خلط کر گئے نسل اور دین کے درمیان، اور نظر انداز ہوگئی ان کے ذہن سے یہ حقیقت کہ امت محمدیؐ کے فضائل جو کچھ ہیں وہ افراد کے اختیار کئے ہوئے دین، عقیدہ، مسلک کے اعتبار سے ہیں نہ کہ افراد کی غیر اختیاری نسلیت وقومیت کی بناپر"۔

اسی طرح دوسری جگہ عقیدہ تجسیم Anthropomorphism جو دنیا کے بیشتر مذاہب شرکیہ میں موجود ہے کی تردید میں قرآن مجید کی آیت فاینما تولوا فثم وجہ اللہ پیش کر کے لکھتے ہیں:

> "اے خدائے واحد کے پرستار اور شک و شبہہ سے بیزار مسلمانو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ خدا بھی پابند ہے کسی سمت کا، مقید ہے کسی جہت کے ساتھ، تم جدھر بھی اپنا کرو نماز، دعا، عبادت کے لئے بس خدا اسی طرف ہے۔ سب کہیں، جدھر بھی رُخ کرو گے جلوہ اسی کا پاؤ گے"۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن حیدر آباد سے اور دوسرا ایڈیشن ان کے انتقال کے بعد لکھنؤ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے شائع ہوا، اس میں ''تفسیر قرآن مجید کے عصری تقاضے'' کے عنوان سے مولانا کے کچھ لکچر شامل کر دیئے گئے ہیں جن کو انجمن اسلامیہ بمبئی کی دعوت پر مولانا نے بمبئی میں دیئے تھے۔

۲۔ الحیوانات فی القرآن:- اس مختصر کتاب میں مولانا نے ان حیوانات کے نام اجزائے بدن و متعلقات جیسے پر، گوشت، چربی، کھر، پیٹ، بال، خون، ہڈیاں وغیرہ جمع کئے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ ان مقامات کے معانی دینے کے ساتھ ہی انہوں نے پارہ، سورت اور رکوع کے حوالے بھی دیئے ہیں، اسی کے ساتھ انہوں نے فنی کتابوں اور عہد نامہ عتیق و جدید، نیز مذاہب شرکیہ میں موجود معلومات ان جانوروں کے جسم، صفت یا افعال کے بارے میں بھی بڑی کاوش سے یکجا کر کے حروف تہجی کے اعتبار سے درج کئے ہیں، یہاں تک کہ بعض حیوانات کی تعداد کے اعداد و شمار بھی دیئے ہیں۔ یہ کتاب اصلاً لغات قرآنی ہی سے متعلق ہے اور اس سے قرآن فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کتاب کے بھی اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ایک نیا ایڈیشن عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

۳۔ ارض القرآن یا جغرافیہ قرآنی:- کلام مجید میں مختلف ممالک مثلاً مصر، روم، یا بابل اور شہروں جیسے مکّہ، مدینہ (یثرب)، سبا، پہاڑ، جیسے کوہ سینا، کوہ طور، کوہ احد، صفا، مروۃ، عمارتیں، مثلاً بیت الحرام، مسجد اقصیٰ، میدان بدر حنین، عرفات کا ذکر کثرت اور تنوع سے آیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی جگہیں ایسی بھی ہیں جن کا نام صراحت سے مذکور نہیں لیکن سیاق کلام سے ان کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ ان مقامات کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے ان کی مختصر شرح بیان کی گئی ہے جو مطالعہ قرآن کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن چند سال ہوئے لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

۴۔ اعلام القرآن یا قرآنی شخصیتیں:- مولانا نے اس مختصر کتاب میں ان شخصیتوں کی نشان دہی کی ہے جن کا کلام مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور ان میں غیر انسانی شخصیتیں بھی شامل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں مثلاً جبرئیل، میکائیل، ہاروت ماروت، ابلیس، لات، منات، یغوث، یعوق وغیرہ، نیز وہ شخصیتیں بھی جن کی طرف کلام مجید کے الفاظ وفقرے اشارہ کرتے ہیں مثلاً اصحاب الفیل، صاحب الحوت وغیرہ، اسی کے ساتھ ان کے متعلق تاریخ، عہدنامہ عتیق وجدید وغیرہ میں دی گئی معلومات بھی جمع کر کے پیش کی ہیں جس سے ان کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ یہ غالباً اپنی قسم کی اردو میں پہلی تالیف ہے جو قرآن کے طلبہ اور عام پڑھنے والوں کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔

انہوں نے اس کتاب میں اعلام واسماء قرآنی کے سلسلے میں بحیثیت ایک وسیع النظر عالم کے قابل داد تحقیق پیش کی ہے۔ اعلام القرآن کی زبان سلیس اور علمی ہے اور اس میں بیان کردہ روایات زیادہ تر مستند ہیں۔ اس کے بھی دو تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مولانا کو قرآن مجید کی تعلیمات اور روایات کی سچائی اور برتری کو موجودہ عصری علوم خصوصاً تاریخ اور جغرافیہ کی شہادتوں کے ذریعہ ثابت کرنے کا خاص شغف تھا، یہی خصوصیت ان کو بحیثیت مفسر قرآن ممتاز کرتی ہے اور قدامت پسند علماء سے الگ کرتی ہے۔

۵۔ بشریت انبیاء:- کلام مجید کے گہرے مطالعے اور تفسیر وترجمہ کے سلسلہ میں تحقیق و تفحص کی بنا پر مولانا کو خیال پیدا ہوا کہ انبیاء کرام کی بشریت وعبدیت کو قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا جائے کیونکہ اس طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی اور سارا زور فضائل و مناقب انبیاء پر دیا جاتا رہا۔ چنانچہ انہوں نے انبیاء کی شخصیت وکردار کی تفسیر وتشریح کلام اللہ سے اپنی کتاب ''بشریت انبیاء'' میں کی جو اردو میں اپنے موضوع کی منفرد کتاب ہے جس میں حضرات انبیاء کی عبدیت، بشری جذبات، غم وغصہ، خوف ونسیان، طبعی کیفیات و انفعالات، ازدواج واولاد، زلات وقرب زلات، دعا، استغفار، مناجات، مخالفت وغیرہ کے عناصر کو قرآنی آیات میں سے تلاش کر کے پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب کے دیباچے میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''قرآن مجید نے توحید باری کے خالص و بے آمیزش رکھنے پر جو اتنا زور دیا ہے وہ پہلو نظروں ہی سے غائب ہو گیا اور دلوں میں عقیدہ کچھ ایسا قائم ہونے لگا کہ جیسے حضرات انبیاء حدود بشریت سے متجاوز ہو کر اگر مرتبہ الوہیت پر فائز نہ تھے جب بھی قریب بہ الوہیت کو ضرور پہنچ گئے تھے۔ اس عاجز نے جب دیکھا کہ بڑے بڑے اہل علم اس مسئلہ پر خاموش ہیں اور غلط عقیدوں کے طومار پر طومار لگتے جا رہے ہیں تو اپنی بے بضاعتی کے باوجود خود ہی اس موضوع (بشریت انبیاء) پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی اور چند باب قائم کر کے ان کے ماتحت قرآنی تصریحات اس بارے میں نقل کر دیں''۔

ظاہر ہے یہ موضوع بڑا نازک اور احتیاط طلب تھا۔ مولانا کا یہ کارنامہ قرآنیات میں اولیں حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں انبیاء کرام کی شخصیت و کردار کی تفسیر قرآن کے ذریعہ سے کی گئی ہے اور ان کی بشریت کی شہادت میں قرآنی آیتیں پیش کی گئی ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ انبیاء کی تقلید تو ان کے بشر اور عام انسانوں کی طرح ہونے پر ممکن تھی۔ انہیں بھی بھوک پیاس، غم و غصہ، نیند، تھکن اور دوسری بشری ضرورتیں اور فطری تقاضے لاحق ہوتے تھے۔ لیکن وحی الٰہی اور فضل ایزدی کی ہمہ وقت پشت پناہی کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے افضل و اکمل تھے۔

مولانا کی اس کتاب کی مذہبی و علمی حلقوں سے بڑی داد و تحسین ملی۔ اب یہ کتاب بھی تقریباً نایاب ہے اور اس کے دوسرے ایڈیشن کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

۶۔ مشکلات القرآن:- کلام مجید کی تفسیر اور مطالعہ کے سلسلہ میں مولانا نے مدراس میں کچھ مقالات پڑھ کر سنائے جن میں بہت سے اہم تفسیری نکات اور قرآن کے مطالعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پیدا ہونے والے بعض اشکالات کی تشفی بخش تشریح پیش کی گئی ہے مثلاً قرآن کے محذوفات ومتشابہات، ابن اور ولد کا فرق، حضرت سلیمانؑ کے کفر کی تردید، حواری کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم وغیرہ۔ ان میں سے بعض مقامات پر اجمالاً وہ قصص مسائل اور اپنی تفسیر کے افتتاحیہ پر بھی بحث کر چکے ہیں۔ ان مقالات کے مجموعہ کو کتابی شکل میں لکھنؤ اور لاہور میں شائع کیا گیا ہے اور اس کا شمار قرآنی ادب کی اہم کتابوں میں کیا جاتا ہے۔

۷۔ سیرت نبویؐ:- مولانا نے سیرت نبوی پر دو کتابیں لکھیں۔ ''مردوں کی مسیحائی یا ذکر رسول'' اور ''سیرت نبوی قرآن کی روشنی میں''۔ اس میں اول الذکر کتاب بہت مقبول ہوئی چنانچہ اب تک اس کے چھ ایڈیشن ہندوستان، پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں یہ کتاب سلطان ما محمہ کے نام سے ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب نے ۱۹۸۲ء میں شائع کی۔ سیرت نبوی پر بے شمار کتابیں اردو میں لکھی جا چکی ہیں لیکن مولانا کے سحر انگیز اسلوب، محبت ووالہانہ عقیدت، خطیبانہ جوش کے ساتھ حکمت دلیل اور جلال و جمال کے امتزاج کی وجہ سے اسے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ کچھ صاحب نظر حضرات اسے بہترین نثری نعت یا عشق رسول کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں۔ اس کتاب کا اہم ترین باب ''سیرت نبوی اور علمائے فرنگ'' ہے جس میں انہوں نے بعض مشہور مستشرقین کے دجل وتلبیس کا پردہ چاک کیا ہے اور آنحضرتؐ کے بے مثال کارناموں اور کامیابیوں کو بڑے شگفتہ انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

سیرت نبوی قرآنی میں مولانا نے سیرت نبوی کے تمام پہلوؤں مثلاً نام ونسب، وطن، فضائل وخصائص، رسالت وبشریت وہجرت، غزوات، معاصرین مشرکین، یہود ونصاریٰ، مومنین، معجزات، خانگی وازدواجی زندگی کا استخراج قرآن حکیم سے کیا ہے اور قرآن کے متن سے آیات چن کر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی حیات طیبہ کی تفصیل مرتب کی جن سے ان کے گہرے مطالعہ قرآن اور استخراج ونتیجہ نکالنے کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے کلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجید کی تقریباً ایک ثلث آیات جن سے سیرت نبوی پر کسی نہ کسی حیثیت سے روشنی پڑتی ہے ڈھونڈ نکالیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حضورؐ کے ایک صاحب وحی، شاہد، مبشر، نذیر، پیمبر صادق ہونے کے ساتھ ہی عبد کامل ہونے کا تاثر پیدا ہوتا ہے اور ان کے جامع اسوہ حسنہ سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ واقعہ افک، تعدد ازدواج جیسے نازک مقامات سے وہ نہایت کامیابی سے گزر گئے ہیں اور ان کی تحقیق اور گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کے مشمولات مولانا نے ۱۹۵۸ء میں خطبات کی شکل میں مدراس میں ایک مجلس میں افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحقؒ کی دعوت پر دیئے تھے جن کو بہت پسند کیا گیا۔ اس کا ایک ایڈیشن پاکستان میں بھی شائع ہوا۔

۸۔ تصوف اسلام:- مولانا کو فلسفہ ونفسیات سے خصوصی شغف تھا۔ اپنے دور الحاد اور پھر مذہب کی طرف واپسی کے بعد انہوں نے مختلف مذاہب کے مروجہ تصوف کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنے کچھ مضامین میں دکھائے مغرب کے فلسفہ تصوف پر روشنی ڈالی۔ ۱۹۲۵ء میں ایک مستقل کتاب تصوف اسلام کے نام سے لکھی جس میں بعض اکابرین تصوف کے افکار کا مطالعہ مع ان کے مختصر حالات اور اپنے تبصرے کے شامل کئے۔ انہوں نے تصوف عجمی و ہندی عناصر کے شمول اور اس کی وجہ سے اس شکل وروح مسخ ہونے پر اظہار خیال کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ موجودہ مسخ شدہ تصوف کو اسلامی تصوف سے کوئی مناسبت نہیں جس کی تعلیم سرور کائناتؐ اور ان کے صحابیوں نے دی اور جس پر عمل نامور مسلمان بزرگوں اور مشائخ نے کیا اور وہ تمام تر شریعت کی پابندی سے عبارت ہے۔ چنانچہ انہی خیالات کا اظہار وہ بڑی صفائی سے اپنے مضامین اور اپنے اخبارات میں کرتے رہے اور تمسک بالکتاب و پابندی شریعت کی تلقین کرتے رہے۔ اس کتاب کے بھی کئی ایڈیشن ہندوستان و پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں۔

۹۔ مناجات مقبول:- کلام مجید و سیرت کے ساتھ ساتھ مولانا نے مولانا اشرف علی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھانوی کی مرتبہ مشہور و معروف قرآنی و حدیثی دعاؤں کی کتاب مناجات مقبول کا ترجمہ و تشریح معہ حواشی کے کیا۔ اس کا ترجمہ حکیم مصطفٰے بجنوری پہلے کر چکے تھے، مولانا نے نظر ثانی کر کے اسے بامحاورہ، سلیس اور شگفتہ بنا دیا ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت و سلاست کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ اس کے کئی ایڈیشن براعظم صغیر میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا نے حدیثوں کے حوالے بھی دیئے ہیں اور کثرت سے حاشیے جن کی وجہ سے اس کی تاثیر اور علمی و ادبی شان میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔

۱۰۔ چہل حدیث:- احادیث کے سلسلے میں مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی منتخبہ چالیس احادیث، جس کے کئی ترجمے ہو چکے تھے، کا ازسر نو ترجمہ جدید اسلوب بیان میں مفصل حواشی کے ساتھ کیا اور صدق بک ایجنسی سے شائع کرایا۔ اس ترجمے کی زبان صاف چست اور بامحاورہ ہے اور ان کے کارآمد حاشیوں سے اس کی افادیت اور معنوی بڑھ گئی ہے۔ چار پانچ سال ہوئے لکھنؤ سے اس کا نیا ایڈیشن پاکٹ سائز پر شائع ہوا ہے۔

حدیث کی ایک اور خدمت مولانا نے حضرت تھانوی کی تالیف شوق وطن کے ترجمہ و تشریح کی شکل میں کی جو پاکستان میں ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کی توجہ سے شائع ہو گئی مگر ہندوستان میں ابھی اس کی اشاعت نہیں ہو پائی اور غالباً جلد ہی یہ کام پورا ہو جائے۔ اس مجموعہ میں موت کی بشارتیں اور آخرت کی یاد دلانے والی اور اطمینان و سکون بخشنے والی احادیث جمع کی گئی ہیں جو بہترین عیادت و تعزیت کا کام دے سکتی ہیں اور بقول مولانا۔

"ان سے ہر زخمی دل پر ٹھنڈے مرہم کا کام لیا جا سکتا ہے"۔

ادبی تصنیفات

جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے مولانا عبدالماجد کی شخصیت بڑی پہلودار تھی۔ بحیثیت مصنف و مترجم انہوں نے شاندار مذہبی خدمات ترجمہ و تفسیر قرآن، سیرت نبوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ کے سلسلہ میں انجام دی ہیں۔ اب ان کی ادبی خدمات کا مختصر جائزہ لیا جائے گا جن میں ان کی سوانح نگاری، سفرنامہ نگاری، مکتوب نگاری، ڈرامہ نگاری، اور ریڈیو کے نشریئے شامل ہیں۔

سوانح نگاری:- اس صنف میں سیرت نبوی کے علاوہ دو شخصی سوانح بھی لکھیں جن میں سے ایک کا نام حکیم الامت نقوش وتاثرات ہے جس میں انہوں نے اپنے روحانی مقتدا حضرت مولانا تھانوی کی سیرت وسوانح اپنے مخصوص شگفتہ اسلوب میں لکھی اور دوسری ''محمد علی ذاتی ڈائری کے چند اوراق'' جس میں انہوں نے اپنے عزیز دوست اور محبوب مولانا محمد علی جوہر کی جیتی جاگتی اور بولتی چالتی تصویر بڑے دلآویز انداز میں کھینچی ہے۔ یہ دونوں کتابیں روایتی سوانح نگاری سے مختلف ہیں مگر انشاء وسلاست روانی اور حسن بیان کا بہترین نمونہ ہیں۔ جن میں بلا کی دلکشی، سچائی، جاذبیت پائی جاتی ہیں۔

ازسرنو دائرہ اسلام میں آنے کے بعد مولانا نے تحصیل علم کے ساتھ تلاش مرشد بھی بڑی تندہی سے شروع کی۔ ان کا خیال تھا کہ کسی صاحب دل ومتبع شریعت بزرگ کا ہاتھ تھامنا اصلاح نفس اور حسن خاتمہ کے لئے ضروری ہے چنانچہ اس کے لئے انہوں نے متعدد سفر کئے، مختلف آستانوں، خانقاہوں کے چکر لگائے اور کئی بزرگوں کے پاس حاضر بھی ہوئے جس کی تفصیل ان کے مختصر مضمون ''مرشد کی تلاش'' جو کتابی شکل میں چھپ گیا ہے دی گئی ہے۔ چونکہ وہ اجتہادی نظر رکھتے تھے اور کسی بزرگ کی اطاعت مطلق یا غیر مشروط تقلید کے قائل نہ تھے اس لئے انہیں اس انتخاب میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر اپنے خصوصی رفیقوں سے صلاح ومشورہ کے بعد یہ رائے قائم کی کہ حلقہ دیوبند کے کسی عارف شیخ طریقت سے اپنا رشتہ عقیدت جوڑیں۔ بیسویں صدی کے نامور عالم دین، مفسر قرآن، فقیہ، محدث اور سلوک ومعرفت کی اعلیٰ منازل پر فائز مولانا اشرف علی تھانوی اس وقت بڑی شہرت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے پہلے مراسلت اور پھر ان سے کئی ملاقاتیں اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ میں کیں اور پھر ان کے مشورہ سے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ جن سے وہ خلافت وجمیعۃ العلماء کے جلسوں میں مل چکے تھے اور جن کی عبادت وریاضت، بے مثل سادگی اور جذبہ خدمت سے بہت متاثر تھے بیعت ہو گئے۔ مگر انہوں نے عملاً اپنا مرشد اور روحانی تربیت کار رہنما مولانا تھانوی کی ذات کو بنالیا اور ۱۵-۱۶ سال تک ان سے گہرا نیاز اور دلی عقیدت قائم رکھی۔ ان پر مولانا مرحوم کے بہترین انسان اور بے مثل حکیم و مصلح ہونے کا زبردست اثر پڑا۔ ان کے انتقال (۱۹۴۳ء) کے بعد انہوں نے اپنے لمبے اور سابقہ تجربہ کی بنیاد پر ان کے بارے میں ذاتی نقوش وتاثرات لکھے جس کے دیباچہ میں انہوں نے اس کتاب کے بارے میں لکھا:

> ''اگر کسی صاحب نے کتاب کو اس شوق میں کھولا ہے کہ اس میں حضرت کے مرتبہ معرفت و ولایت کی تفصیل ہوگی یا ان صفحات میں حضرت کے مناقب عرفانی ومدارج روحانی کا بیان ہوگا تو خیر اسی میں ہے کہ وہ آگے کی ورق گردانی کی زحمت ہی گوارا نہ فرمائیں۔ یہ مجموعہ اوراق نہ کتاب المناقب ہے نہ ملفوظات مرشد اور نہ سیرۃ الشیخ''۔

آگے چل کر اس کی مزید تشریح اس طرح کرتے ہیں:

> ''حضرت شیخ کے کمالات وفضائل اپنی جگہ پر، بہر حال اشرف علی تھانوی نامی ایک انسان بھی تو اس صدی میں ہوئے ہیں۔ ان کی عمر کے آخری ۱۵-۱۶ سال کے زمانہ میں اس نامہ سیاہ کو ان سے نیاز اور اپنی بساط کی حد تک گہرا نیاز حاصل رہا، اور اپنے لمبے تجربہ اور سابقے میں انہیں بہترین انسان پایا۔ بس اسی انسانی زندگی کا ہلکا عکس ان نقوش وتاثرات کے اندر بند کر دینے کی الٹی سیدھی کوشش یہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو ملے گی"۔

اس کتاب میں مولانا نے مولانا تھانوی کے ساتھ پندرہ سولہ سال کے تعلقات، واقعات، مشاہدات علمی، فقہی، کلامی، تفسیری، سیاسی، ادبی، اخلاقی اور ذاتی مسائل پر اپنے اور ان کے خیالات، ارشادات اور مشوروں کی تفصیل نہایت خوبی سے اور بڑے دل آویز اسلوب میں پیش کی ہے۔ اپنے نجی مسائل، مشکلات، اخلاقی عیوب، اور خواہشات ان کے سامنے رکھ کر ان سے ان سے رہنمائی اور ہدایت زبانی اور خطوط کے ذریعہ چاہی، جس کی وجہ سے کتاب بڑی دلچسپ اور قابل قدر ہوگئی ہے مگر اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مرشد اور مسترشد کا تعلق کہیں سے روایتی اور عقیدت کامل کا نظر نہیں آتا۔ اس میں انہوں نے حضرت تھانوی کے مزاج، شخصیت، ذاتی احوال، ان کی مجلس کے خصوصی فیوض ذاتی مشاہدات کی بنیاد پر لکھے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ہی بعض تفسیری، فقہی، ادبی، سیاسی اور شخصیات کے معاملہ میں ان سے کھل کر اختلاف بھی کیا۔ اس بارے میں انہوں نے اپنے موقف کو صاف طور پر یوں بیان کیا ہے:

> "کسی بزرگ کو بزرگ معظم ماننے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس کی ساری ہی باتیں دل میں اتر جائیں اور اس کا ایک ایک جزئیہ واجب التسلیم ہو جائے۔ کم از کم اپنا عقیدہ تو یہی ہے کہ اطاعت مطلق و غیر مشروط صرف رسول معصوم کا حق خصوصی ہے"۔

یہ واقعہ ہے کہ مولانا تھانویؒ سے ان کے گہرے عزیزانہ تعلقات ہو گئے تھے اور مولانا ان سے خاصے بے تکلف تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، ان کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی علمی بصیرت و دینی حمیت سے متاثر تھے اور انہوں نے ان کو اپنے مریدوں سے کہیں زیادہ رعایتیں دے رکھی تھیں۔

مولانا تھانوی کے بہترین معالج نفس ہونے اور فطرت بشری کے باریک پہلوؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی رعایت رکھنے، فقہی وتفسیری بصیرت اور حیرت انگیز حقیقت پسندی اور نفسیاتی دقیقہ رسی کی بنا پر مولانا نے ان کو حکیم الامت قرار دیا اور ان کے حکیم و مصلح ہونے کا بار بار ذکر اپنی تحریروں اور زبانی گفتگوؤں میں کیا۔ باوجود اس کے یہ کتاب باضابطہ سوانح کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی لیکن اپنے بے مثال اور منفرد اسلوب، شگفتگی اور دلآویزی کی بنا پر اردو ادب کی مؤثر اور اعلیٰ کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے کئی ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں۔

محمد علی ذاتی ڈائری کے چند اوراق:- مولانا کے رفیق خصوصی اور محبوب، ہندوستان کے مشہور قومی رہنما مولانا محمد علی جوہر تھے جن سے ان کے تعلقات زمانہ طالب علمی سے شروع ہوئے جب وہ مسٹر محمد علی آکسن ایڈیٹر کامریڈ اور مسلمانوں کے مسلّمہ اور مخلص لیڈر تھے اور برابر بڑھتے رہے۔ چنانچہ زمانہ الحاد میں انہوں نے اپنی انگریزی تصنیف سائیکلوجی آف لیڈرشپ ان کے پاس بھیجی تو انہوں نے اس پر مفصل تبصرہ کیا اور کتاب کے قابل اعتراض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا۔ مولانا نے اپنی زندگی میں متعدد شخصیتوں سے اثر قبول کیا جن میں شبلی، اکبر الٰہ آبادی، مولانا تھانوی وغیرہ شامل تھے لیکن سب سے زیادہ پائدار اثرات ان پر محمد علی جوہر کی ذات نے ڈالے، چنانچہ ایک جگہ اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

> ''عقیدت دینی، مذہبی، روحانی رنگ کی جس زور وقوت، جوش وولولہ سے حضرت حکیم الامت کے ساتھ ہوئی کسی دوسری زندہ ہستی کے ساتھ نہ تھی لیکن عقیدت سے ہٹ کر ایک شئے محبت بھی ہوتی ہے، یہ محبت اسی جوش وقوت کے ساتھ محمد علی سے تھی گویا ایک مقتدا تھے تو دوسرے محبوب''۔

مولانا محمد علی سے بے تکلفی کے ساتھ محبت اور شدید جذباتی وفکری تعلق برابر بڑھتا ہی رہا۔ چنانچہ باوجود اپنی عزلت نشینی کے انہوں نے تحریک خلافت میں چند سال سیاست میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی حصہ لیا۔ ان کے اخبار ہمدرد کی عملی معاونت کی۔ وہ ان کی بے مثل سچائی، بے باکی، خطابت، حمیت دینی، اسلام سے محبت اور گہری جذباتیت کے بڑے قائل تھے اور ان کے بہت نزدیک بھی تھے۔ ۱۹۳۱ء میں ان کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنے دلی تاثرات اپنے اخبار سچ میں شائع کئے، ان کی سیرت لکھوانے کی بڑی کوشش کی، پھر خود بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ''محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق'' کے عنوان سے دو جلدوں میں کتاب لکھ ڈالی جس کا شمار اپنی ادبی لطافت و دلآویزی کی وجہ سے اردو کے ادب العالیہ میں کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے مشمولات مستند، ومعتبر ہیں کیونکہ مولانا ان سے بے انتہا قریب اور محرم اسرار تھے۔ مولانا محمد علی ان پر بے انتہا اعتماد کرتے تھے اور ان سے بڑی محبت کرتے تھے جس کا ثبوت ان کے بے شمار خطوط سے ملتا ہے جن میں انہوں نے تمام معاملات میں ان سے صلاح ومشورہ کیا ہے اور بار بار ان سے اعانت وتعاون کی استدعا کی ہے۔ یہ کتاب حالانکہ سوانح نگاری کے روایتی اصولوں کے مطابق نہیں ہے پھر بھی اس سے محمد علی کی جیتی جاگتی سچی تصویر سامنے آجاتی ہے اور ان کی زندگی کے نشیب وفراز کا تفصیلی مرقع پڑھنے والوں کے سامنے آتا ہے۔ اس میں محمد علی کی شخصیت کے اصلی جوہر، مذہب و سیاست کے بارے میں ان کا طرز عمل اور انداز فکر، گاندھی جی اور ان کی تحریکوں میں ان کا حصہ، تحریک خلافت کی رہنمائی، کانگریس اور کانگریسی لیڈروں سے ان کے تعلقات، علی گڑھ کی تعلیم، جامعہ ملیہ کی تاسیس میں ان کی خدمات، گول میز کانفرنس میں شرکت، ولایت کے سفر، تبلیغ اسلام، قرآن فہمی، ان کی صحافت، ادب وانشاء میں ان کا مقام غرض ان کی پوری زندگی کا ایسا نقشہ منفرد اسلوب بیان میں کھینچا گیا ہے کہ بیچ میں کتاب کو بند کر دینا خوشگوار نہیں لگتا۔ مولانا نے اس کتاب میں اپنے محبوب رفیق کی بے لاگ سوانح پیش کی ہے جس میں ان کے افکار وخیالات اور سیاسی، مذہبی رزم آرائیوں کا ذکر بڑی خوبی اور تاثر سے کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو محمد علی کی بے باکی، صدق گفتاری، بلوغت ذہنی اور حمیت دینی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا اندازہ ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی مولانا دریابادی کی اٹوٹ اور مخلصانہ محبت وعقیدت کا بھی۔ اس میں ان کے دوستوں کے ساتھ مخالفین و معاندین کا ذکر بھی ملتا ہے ان کی صدارت کانگریس، فرنگی محل خصوصاً اپنے مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے تعلقات، ان کے عزم وحوصلہ، اسلام سے شدید گہری وفکری وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک جگہ انہوں نے محمد علی کے کردار کی بالکل سچی تصویر اپنے مخصوص البیلے انداز میں اس طرح کھینچی ہے:

''اس کا کلام سن کر ڈرائنگ روم کے کوچ اور صوفے کھلکھلا کر ہنسے، اس کا پیام سن کر مسجد کے محراب ومنبر بلبلا کر روئے، خانقاہیں، مدرسے، پارک اور نشاط خانے، کھنڈر، ویرانے، قوم پروروں کی کانگریس، پریس اور پلیٹ فارم، دیوبند اور ندوہ، فرنگی محل و علی گڑھ، جمیعۃ العلماء اور مسلم لیگ، سب کے سب اس سے مانوس اور مالوف، سب کے چپہ چپہ پر اس کے نقش قدم کے نشان، سب کا ذرہ ذرہ اس کے خیر مقدم سے لطف اندوز''۔

مولانا محمد علی جوہر ان بدقسمت لیڈروں میں سے تھے جن کی پوری قدر ملّت وقوم نے نہ کی۔ وہ زود ورنج اور جذباتی تھے اس لئے ان کے مخالف بہت تھے۔ وہ جوش عمل میں انضباط وقت یا اپنی صحت کی پرواہ نہ کرتے تھے اور اصولی مخالفت میں کسی طرح مفاہمت یا لچک کے قائل نہ تھے اس لئے بظاہر ان کا شمار ناکام لیڈروں میں کیا جاتا ہے۔ مگر مولانا نے ان تمام باتوں کی منظر کشی بڑے خلوص، رقت سامانی اور جذباتیت کے ساتھ کی ہے جس سے لوگوں کی ہمدردی محمد علی کے ساتھ بڑھ جاتی ہے اور ان کی عظمت بھی حسن انشاء مرقع نگاری اور زور بیان کی بنا پر مولانا کی اس تصنیف کو ان کی شاہکار کہا جاتا ہے اور ان کی یہ سوانح کاوش علمی وادبی اعتبار سے قابل تعریف اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کے تین ایڈیشن اب تک ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں اور ایک ایڈیشن پاکستان کے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب علم اور مولانا کے نادیدہ معتقد جناب راشد شیخ صاحب نے شائع کیا ہے۔

شخصیت یا خاکہ نگاری

اردو ادب میں شخصیت یا خاکہ نگاری ایک اہم صنف سمجھی جاتی ہے جس کی پہلی کامیاب کوشش محمد حسین آزاد نے اپنی مشہور کتاب ''آب حیات'' میں کی ہے۔ جس میں سودا، انشا، میر، میر ضاحک، ناسخ، آتش، مومن، ذوق وغیرہ کے چلتے پھرتے اور جیتے جاگتے مرقعے بڑے دلچسپ اور شگفتہ انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے ان کے اخلاق و عادلت، لباس و سراپا، ادبی مشاغل، چشمکوں، رقابتوں اور معرکوں کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

شخصیت نگاری کوئی آسان کام نہیں خاص کر معاصرین کے بارے میں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کا شمار اردو کے نامور اور کامیاب شخصیت یا خاکہ نگاروں میں کیا جاتا ہے کیونکہ وہ حکیمانہ نظر، صداقت نگاری اور شگفتہ اسلوب کے مالک تھے۔ انہوں نے بہت سے خاکے لکھے جن کے دو مجموعے معاصرین اور وفیات ماجدی یا نثری مرثیے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں اور ادبی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں ان کے علاوہ انہوں نے متعدد اخبارات و رسائل خصوصاً اپنے ہفتہ وار سچ، صدق اور صدق جدید میں بے شمار شخصیتوں پر اپنے تاثرات قلم بند کئے۔ ان کا پہلا خاکہ اردو کے جوان مرگ خوش مذاق ادیب مہدی حسن پر ۱۹۲۱ء میں روزنامہ ہمدم لکھنؤ میں نکلا۔ مہدی حسن مولانا کے مخلص دوستوں میں تھے اور ان کے علم و فضل و قابلیت کے بڑے معترف۔ اس خاکہ میں انہوں نے ان کے کردار، خصوصیات کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور بڑے تاثر سے اپنے مرحوم دوست سے الوداعی تخاطب کیا ہے۔

''معاصرین'' میں اسّی منتخب شخصیتوں کے بارے میں تاثرات یا خاکے پیش کئے گئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں جو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔ان میں ان کے بزرگ،عزیز، برابر والے، چھوٹے سب ہی شامل ہیں جنہوں نے ان کی زندگی پر اثر ڈالا۔ یہ مرقع مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ اور زندگی سے بھرپور ہیں۔ان میں ممتاز اکابر کے ساتھ کچھ چھوٹے اور گمنام بھی شامل ہیں جن کو انہوں نے محبت اور حسرت کے ساتھ یاد کیا ہے۔ان کے خاکوں میں ''ماں کے قدموں پر''، ''ہمشیر کی رخصتی''، ''نازبردار بھائی''، ''بوڑھی محبوبہ'' (اپنی محبوب بیوی پر)، ''ایک خدمت گار کی یاد میں''، ''علی محمد خاں''، ''خوش نصیب گول کیپر'' (تصدق احمد خاں شیروانی)، ''رفیع احمد قدوائی''، ''شہید حق پرستی'' (گاندھی جی)، ''جواہر لال نہرو''، بڑے مؤثر اور دلچسپ اور ادبی خصوصیات کے حامل ہیں۔

وفیات ماجدی میں انہوں نے باسٹھ شخصیتوں پر اپنے تعزیتی تاثرات پیش کئے ہیں جن میں عبرت آفرینی، غم وحزن کا پہلو غالب ہے۔

شخصیت نگاری میں مولانا نے صداقت نگاری وحقیقت نگاری سے کہیں تجاوز نہیں کیا۔حتیٰ کہ اپنے مخالفوں کا ذکر منصفانہ طریقہ پر کیا ہے مثلاً نیاز فتح پوری، اسی طرح غیر مسلم معاصرین جیسے گاندھی جی، جواہر لال نہرو، بھگوان داس اور مسز اینی بینٹ کی خوبیوں کی تعریف اپنے تعزیتی مقالات یا شذرات میں کئے، ان کے خاکوں کی کامیابی کا راز اچھی سراپا نگاری، شگفتہ نگاری اور جذبات وتاثرات سے مملو انداز بیان ہے۔

خودنوشت سوانح

مولانا کی آخری تصنیف ان کی لکھی ہوئی ''آپ بیتی'' ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔ارباب نظر جانتے ہیں کہ اپنی آپ بیتی لکھنا کتنا کٹھن ہوتا ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کے دلچسپ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔مولانا نے اس میں آپ بیتی کے بیشتر تقاضے کامیابی کے ساتھ پورے کئے ہیں۔شروع ہی میں اپنے عہد کے پس منظر کی تفصیل، تعلقہ داری،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے بچپن کے زمانہ کے رسم ورواج، سواریوں، توہمات، عقائد واعمال، معاشی ومعاشرتی و سیاسی حالات ورجحانات بیان کئے پھر اپنے ماحول، آباواجداد، والدین، اعزہ واقربا، بسم اللہ کی تقریب، تعلیم وتربیت، اسکول کالج کی زندگی، مضمون نگاری وصحافت، تشکیک والحاد، اسلام کی طرف بازگشت، شادی و اولاد، بیعت و ارادت، ملازمت، تصنیف و تالیف، شاعری، مخصوص عادات ومعمولات، تجربات زندگی کا نچوڑ، محسن ومظلوم شخصیتوں وغیرہ جیسے اہم موضوعات کو سچائی وشگفتگی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ان کی شخصیت کے تقریباً سب ہی پہلو سامنے آجاتے ہیں خاص کر ان کے دور الحاد وتشکیک کا جس پر وہ برابر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرتے رہے اور اپنے تجربوں سے دوسروں کو آگاہ کرتے ہے۔ ان کے متنوع علمی، ادبی اور دینی کارنامے، ان کے مزاج وعادات کی خصوصیات خصوصاً جذباتیت اور اشتعال پذیری کی مثالیں آپ بیتی میں جابجا ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے ان کے مزاج میں اکل کھرا پن، ہنگامہ آرائی، عام جلسوں اور تقریروں سے گریز، ادبی اور فکری مباحث ومناقشات کے لئے منصوبہ بندی کے رجحانات پائے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ''سرشت کی افتاد ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ ادھر کسی نے سختی کی اور ادھر طبیعت کی کجی قائم رہی اور مظاہرے ناشائستگی کے ہوتے رہے۔ آہ یہ بدسرشتی جس کی اصلاح عمر کے آخری منزلوں میں بھی نہ ہوسکے، اسی کو کہتے ہیں ع
>
> ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو

انہوں نے آپ بیتی آخر عمر میں لکھنا شروع کی جب وہ ایک ممتاز عالم، مفسر قرآن اور مسلمہ ادیب وانشا پرداز ہو چکے تھے۔ اس کے بہترین مقامات وہ ہیں جہاں انہوں نے اپنے عہد کے ماضی کو آواز دی ہے اور گزری ہوئی قدروں کو حسرت اور تاسف کے ساتھ یاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ مثلاً چھ سال کی عمر میں انہوں نے گورکھپور سے فیض آباد اپنے گھر والوں کے ساتھ سفر کیا۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لکڑ منڈی گھاٹ سے اجودھیا تک کا سفر اسٹیمر کا تھا۔ دریائے گھاگھرا میں برسات میں اسٹیمر چلا کرتا تھا جو اس سن کے تخیل میں نمونہ جہاز نہیں عین جہاز تھا۔ پردہ اس وقت شریف خاندانوں کا جزو زندگی تھا۔ خرچ جتنا کچھ بھی پڑ جائے یہ ممکن نہ تھا کہ پردہ کی پابندیوں میں ذرا فرق آنے پائے۔ والد مرحوم اسی لئے زنانہ کے ساتھ سفر کرنے میں سیکنڈ کلاس (اس وقت کے فرسٹ کلاس) کا پورا کمپارٹمنٹ ریزرو کرا لیتے تھے۔ اس ایک غرض کے لئے سارا خرچ گوارا تھا۔ پھر اتنی احتیاط بھی بعض دفعہ کافی نہ سمجھی جاتی اور درجہ کے اندر بھی چاندنی کا پردہ باندھ دیا جاتا کہ پلیٹ فارم پر گزرتے ہوئے کسی مرد کا اتفاق سے سامنا نہ ہو جائے۔ لکڑ منڈی میں پالکی اور کہاروں کا انتظام خاصا اہتمام کر کے پہلے سے کر لیا گیا تھا۔ ہمشیر کا سن ابھی پورے بارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اور والدہ ماجدہ اسی میں بیٹھیں اور پالکی اسی طرح اسٹیمر پر رکھ لی گئی۔ کتاب کے شائع ہونے تک ذہن اس سوال میں الجھیں گے کہ یہ پالکی کیا بلا تھی''۔

اسی طرح اپنی بسم اللہ کی تقریب کا حال بڑی حسرت اور جذباتیت سے یوں بیان کیا ہے:

''ابھی ابھی فقرہ زبان قلم سے ادا ہوا ہے کہ 'بوا نے مجھے گود میں اٹھا لیا'۔ فقرہ آج ۱۹۶۷ء میں ۷۴-۷۵ سال کے پیر سال خوردہ کی زبان سے ادا ہوا ہے، ہائے وہ دایہ کی گود میں جانے کی لذت! اب کیا بیان ہو؟ وہ لذت جس کا بدل نہ کبھی جوانی کی گرمیاں دے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکیں نہ کبھی بڑھاپے کی خکیاں ۔ پڑھنے والے اس مقام پر پہنچ کر ایک پیرنابالغ پر ہنسنے اور مضحکہ کرنے میں جلدی نہ کریں۔ عجب نہیں کہ اس سن پر پہنچتے پہنچتے انہیں بھی بچپن کی پیاری معصومانہ شرارتوں کی یاد تازہ ہو جائے۔ غضب کی حسرتناک سچائی بھر دی ہے کسی نے اس مصرعہ میں'' ع

دو دن کو اے جوانی دے دے ادھار بچپن

مولانا کی آپ بیتی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی اور مشرقی اقدار، ماضی کی صالح روایات اور شرافت سے شدید لگاؤ اور محبت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی زیادتیوں کے اعتراف کے ساتھ مرحوم مظلومین سے معذرت کی ہے اور نامور لوگوں کے ساتھ چھوٹے اور گمناموں کو بھی یاد رکھا ہے۔ صاف گوئی، صداقت شعاری، تبلیغ و اخلاق کی چاشنی جا بجا ملتی ہے جس کی وجہ سے ادبی اعتبار سے اس خودنوشت کا رتبہ بلند ہو گیا ہے۔ آپ بیتی کا دیباچہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا اور اسے مکتبہ فردوس نے شائع کیا۔ اب تک اس کے دو ایڈیشن پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں۔

آپ بیتی کے علاوہ مولانا نے اپنی زندگی کے مختصر حالات ''غبار کارواں'' کے عنوان سے رسالہ آج کل دہلی میں اور نقوش لاہور میں لکھے اور ایک ریڈیو نشریہ ''یادایام'' میں اپنی زندگی کا مختصر جائزہ لیا۔ ۱۹۵۵ء میں پاکستان کے سفر میں اس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد کی فرمائش پر کراچی ریڈیو سے ایک تقریر ''مولانا کہلانے سے قبل'' کے عنوان پر نشر کی۔

سفرنامے

مولانا کے انضباط وقت اور عزلت نشینی سے بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر بہت کم کیے ہوں گے مگر واقعتاً ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے متعدد سفر کیے۔ ۱۹۲۹ء میں فریضہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج ادا کیا اور اس کی روداد اپنے ہفتہ وار پرچ میں لکھی جو بعد میں کتابی شکل میں سفر حجاز کے نام سے شائع ہوئی جس کا دیباچہ ان کے عزیز دوست مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا۔ یہ سفر نامہ اپنی دلآویزی اور محبت، والہانہ شیفتگی کی بنا پر بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ اب تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے یہ سفر نامہ ایک گنہگار بندے اور عاشق رسول کی طرح کیف و مستی میں ڈوب کر لکھا ہے۔ اس مقدس سفر کے مقصد اور غایت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

''سفر سیر و تفریح کے لئے نہ تھا تحصیل 'علوم' و تکمیل 'فنوں' کے لئے نہ تھا۔ کشمیر و شملہ کا نہ تھا، لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمبرج کا نہ تھا۔ وہاں کے لئے بھی نہ تھا جہاں گرج گرج کر تقریریں کی جاتی ہیں اور جھگڑ جھگڑ کر ریزولوشن پاس کئے جاتے ہیں۔ سفر جلجلاتی ریگ والی زمین کی طرف تھا۔ گرمی کے موسم میں اس آسمان کے نیچے تھا جس کا آفتاب تمتمایا ہوتا ہے۔ ہوٹلوں، پارکوں، آبشاروں اور سبزہ زاروں کی طرف نہ تھا۔ خشک اور چٹیل میدانوں، بے آب و گیاہ ویرانوں اور آگ اور خاک برسانے والے ریگستانوں کی جانب تھا۔ ایک گنہگار امتی اپنے شفیع و مشفق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا۔ بندے کی حاضری اپنے مولا کے دربار میں تھی۔ بھاگا ہوا غلام تھک کر اور ہار کر اور پچھتا کر اور شرما کر اپنے مالک کی طرف رخ کر رہا تھا''۔

اس سفر نامہ میں تاریخی و جغرافی معلومات، مقامات مقدسہ کا مفصل تذکرہ، حج و زیارت کے آداب و شرائط، بدعات، ملت اسلامی کے زوال اور مسلمانوں کے درخشاں ماضی کا بیان بڑے تاثر سے کیا گیا ہے۔ اس کے سوز و گداز، حکیمانہ نکتہ سنجی اور شگفتہ اسلوب کی وجہ سے اسے بڑی مقبولیت حاصل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۵۵ء میں پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد کی دعوت پر مولانا نے پاکستان کا سفر کیا اور اس کی دلچسپ روداد پہلے صدق میں پھر کتابی شکل میں ڈھائی ہفتہ پاکستان میں یا مبارک سفر کے نام سے شائع کی۔ اس سفر نامہ میں انہوں نے پاکستان کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کا دانشور کی نگاہ سے جائزہ لیا اور ماضی کے اوراق کی مدد سے عبرت وموعظت اور حکمت وموعظت کے سبق سچائی اور صاف گوئی سے دیئے۔ چھوٹے موٹے مشاہدوں سے حکیمانہ نتائج نکالے، وہاں کے مفسدات کی نشاندہی کے ساتھ وہاں کی اچھائیوں کی تعریف کی اور خواہش ظاہر کی کہ پاکستان مسلم کلچر کا صحیح نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کتاب کے بھی دو تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ہندوستان کے مختلف مقامات مثلاً دہلی، حیدرآباد، کلکتہ، پٹنہ، بہار کے کئی سفر انہوں نے کئے اور اس کی روداد اپنے اخباروں میں لکھی۔ ان سفرناموں کا مجموعہ سیاحت ماجدی یا گیارہ سفر کے نام سے ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ کے صاحب ذوق مالک اور مولانا کے نادیدہ معتقد خصوصی حاجی منظور علی صاحب مرحوم نے بڑے اہتمام سے شائع کیا، یہ مجموعہ ان کے لائق بھتیجے اور جانشین حکیم عبدالقوی صاحب نے بڑے سلیقہ سے مرتب کیا تھا۔ جن میں ان مقامات کی تاریخی، مذہبی، دینی اہمیت کے ساتھ وہاں کی عمارتوں، لائبریریوں، تاریخی وعلمی یادگاروں اور قبرستانوں اور وہاں کے نامور افراد کے بارے میں اپنے تاثرات دلکش انداز میں پیش کئے ہیں۔ ان کے سفرنامے اردو ادب کے سیاحتی لٹریچر میں خاص درجہ و مرتبہ رکھتے ہیں۔

مکتوب نگاری

آپ بیتی کی طرح خطوط کا شمار نثری ادب کی دلچسپ صنف میں کیا جاتا ہے۔ مولانا کے خطوط مستقل علمی و ادبی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے معاصرین، دوستوں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزیزوں، اپنے اخباروں کے پڑھنے والوں، مقالہ نگاروں کو بے شمار وحساب خط لکھے جو ذاتی، علمی، ادبی، مذہبی، روزمرّہ کی زندگی ومعاملات سے تعلق رکھتے تھے۔ گو وہ بلاضرورت خط لکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ بیجا طوالت تکرار مضامین کو وہ چاہتے تھے کہ لوگ ان کو کام کی باتیں مختصر طور پر لکھا کریں۔ وہ مکتوب نگاری میں غالب کے معترف ومعتقد تھے۔ چنانچہ ان کے خطوط میں ایجاز واختصار، ہلکی ظرافت کی چاشنی اور ہنرمندانہ رعایت لفظی ملتی ہے جن کی وجہ سے وہ دلچسپ ہیں۔ البتہ خطوط کے بے تحاشا اور بے قید چھاپنے کے حق میں نہیں تھے۔ خصوصاً نجی خطوط کی اشاعت کو فتنہ سمجھتے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے نام مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط دو جلدوں میں مرتب کر کے شائع کرائے اور حضرت اکبر الٰہ آبادی، مولانا شبلی اور علامہ اقبال کے خطوط بھی خطوط مشاہیر کے نام سے شائع کئے۔ نیز ۱۹۵۳ء سے اپنے خطوط کی باقاعدہ نقل رکھنے کا اہتمام کیا جن کی تعداد کئی ہزار پر مشتمل ہے اور ان کو برادر محترم ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی بڑی محنت سے مرتب کر کے اپنے مفید حاشیوں کے ساتھ شائر کرا رہے ہیں۔ چنانچہ اب تک مکتوبات ماجدی کی چار جلدیں حسن طبع سے آراستہ چھپ چکی ہیں اور تقریباً چار جلدیں مزید بھی جلد ہی انشاء اللہ شائع ہو جائیں گی۔ یہ مکتوبات ان کے مخلص نادیدہ معتقد حاجی منظور علی صاحب مرحوم مالک ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ بڑی نفاست اور اہتمام سے شائع فرما رہے تھے، افسوس ہے کہ پانچویں جلد کی اشاعت سے قبل ستمبر ۲۰۰۸ء میں جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے ورثاء باقی جلدیں شائع کرنے پر آمادہ ہیں۔ اسی طرح مولانا کے مکاتیب کا ایک مجموعہ ''رقعات ماجدی'' کے نام سے ان کے مخلص دوست اور معتقد غلام محمد صاحب حیدرآبادی نے پاکستان میں شائع کیا۔ لاہور کے مشہور رسالہ نقوش کے ایک خاص نمبر میں ان کے کئی خطوط شائع کئے گئے ان کے علاوہ بہت سے غیر مطبوعہ مکاتیب بھی ان کے مخلصوں اور پرستاروں کے پاس موجود ہوں گے۔ اس لحاظ سے مولانا کا شمار اردو کے ممتاز اور منفرد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکتوب نگاروں میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ خطوط علمی و ادبی شان، سادگی اور بے تکلفی، طنز، حقیقت پسندی و رعایت لفظی کے لحاظ سے اردو کے ادب العالیہ میں جگہ دیئے جانے کے مستحق ہیں۔ ان خطوط میں تفسیری نکات، لغت و الفاظ کی تحقیق، انواع و اقسام کی کتب و مخطوطات اور مختلف قسم کے افراد کا تذکرہ بڑے شگفتہ اور دلچسپ انداز میں ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ان سے لکھنے والے کے مزاج، کردار اور میلانات کا بھی پتہ چلتا ہے اور اس زمانے کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حالات کا بھی۔ یہ خطوط انہوں نے اپنے دوستوں، علماء، صحافیوں، طالب علموں، استادوں، شاعروں، دانشوروں اور بہت سے غیر معروف اور گمنام افراد کو لکھے۔ ان کے مطالعے سے مولانا کے سوانحی نقوش، ان کے حقیقت پسندانہ و مجتہدانہ انداز فکر، مسلم ممالک خصوصاً پاکستان کے سیاسی و تہذیبی انتشار، ہندوستان میں اردو اور اقلیتوں کے ساتھ ناانصافی، مستشرقین کے علمی کارناموں کی تنقید، ہندو مسلم اتحاد، صحیح زبان اور روزمرہ کے متعلق دلچسپ اور بصیرت افروز معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے مولانا مجلسی آدمی یا خطیب اور مقرر نہ تھے۔ گوشہ نشینی میں خاموشی کی زندگی اپنے مذاق کے مطابق بسر کرتے تھے مگر خطوط میں وہ اچھا خاصا کھل جاتے ہیں اور بے تکلفی، ہلکی ظرافت، رعایت لفظی، برجستہ اشعار و مصرعوں کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے خطوط اردو ادب کا ایسا قیمتی سرمایہ ہیں جس سے آگے چل کر بڑے مفید کام لئے جا سکتے ہیں۔

شاعری و ڈرامہ نگاری

اصلاً مولانا ایک باکمال نثر نگار اور ادیب تھے لیکن عمر عزیز کے چند سال انہوں نے شعر گوئی میں بھی صرف کئے تھے۔ کالج کے زمانہ سے ان کے تعلقات لکھنؤ کے شاعروں سے ہو گئے اور اس سے بڑھ کر مولانا شبلی اور حضرت اکبر الہ آبادی کی صحبت نے اس کو اور جلا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی، کچھ عرصہ تک وہ عشق میں بھی مبتلا رہے جس کا نتیجہ پسند کی شادی کی شکل میں نکلا۔ اس زمانے میں انہوں نے کئی غزلیں کہیں اور حضرت اکبر سے اصلاح لی۔ انہوں نے بعض اشعار پر داد دی اور ان کی ہمت افزائی کی۔ ان کی کچھ غزلیں رسالہ معارف میں شائع ہوئیں۔ ان کی شاعری کا پہلا دور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک رہا جب وہ الحاد و تشکیک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں انہوں نے صرف غزلیں کہیں جس میں حسرتؔ، شیفتہؔ، داغؔ اور عزیزؔ کے اتباع کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اپنا تخلص ناظرؔ رکھا۔ اس زمانے کی کئی غزلیں ان کے ڈرامہ زود پشیماں میں شامل ہیں جو شائع ہو چکا ہے اور تین غزلیں ایک دوسرے ناتمام ڈرامہ بدسرشت میں ہیں جو الناظر میں ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا تھا۔ مذہب سے مراجعت کے بعد ۴-۵ سال تک ان کی شاعری کا دوسرا دور رہا جس میں انہوں نے عشق رسولؐ اور نور ایمان سے متاثر ہو کر چند نعتیہ غزلیں کہیں جو خاصی مشہور ہوئیں۔ ان کا کلام رسمی شاعری کا نمونہ نہیں بلکہ واردات قلبیہ پر مبنی ہے۔

خود مولانا اپنی شاعری کو تک بندی سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

> ''۱۹۱۴ء تھا کہ خود بھی غزل گوئی شروع کر دی۔ تازہ و جائز عشق اپنی منگیتر سے پیدا ہو چکا تھا، اس نے محبت کے شاعرانہ جذبات کو بیدار کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے غزلوں پر غزلیں کہنے لگا۔ یوں معتقد تو میں بس شاعروں میں غالب کا تھا مگر حوصلہ ان کے رنگ میں کہنے کا کبھی نہ ہوا۔ کچھ گری پڑی کوشش تقلید کی اگر کی تو مومن، حسرت، شیفتہ، داغ، ریاض و عزیز کی''۔

حضرت اکبر کی خدمت میں ایک غزل بغرض اصلاح انہوں نے بھیجی جس کا مطلع تھا۔

جانبازیوں کو خبط سے تعبیر کر چلے　　تم یہ تو خوب عشق کی توقیر کر چلے

اس پر حضرت اکبر نے داد دیتے ہوئے لکھا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آپ کی غزل دیکھ کر تعجب ہوا اور زیادہ خوشی کہ ابتداء ہی
میں ایسے کھرے شعر آپ کہنے لگے۔ شعر کم و بیش سب ہی اچھے ہیں،
اب رہی زبان و طرز بیان، اس میں کوئی نقص نہیں البتہ افزائش حسن
کی گنجائش ہے''۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ان کے اشعار کی داد دی اور ہمت افزائی کی مثلاً ان اشعار کی

مجھ کو تو خیر غیر سے تھیں بدگمانیاں — یہ کیا ہوا کہ آپ بھی شرما کے رہ گئے
لو دیکھو آ گیا نہ زباں پر کسی کا نام — مدت سے ہم تھے ضبط محبت کئے ہوئے

دوسرے دور میں ان کی نعتیہ غزل گوئی حضور اکرمؐ کے عشق اور محبت میں ڈوبی ہوئی ہے، خاص کر یہ اشعار بڑے مقبول ہوئے:

ایک عمر کی گمراہی اک عمر کی سرتابی — جز تیری غلامی کے آخر نہ مفر پایا
حکمت کا سبق چھوڑا عزت کی طلب چھوڑی — دنیا سے نظر پھیری سب کھو کے تجھے پایا

ان کی غزلوں اور نعتیہ غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ تغزل ماجدی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا نے نوعمری میں ایک ڈرامہ زود پشیماں لکھا۔ ان کو ڈرامے سے بچپن سے دلچسپی تھی، چنانچہ ایک آدھ دفعہ ایکٹنگ بھی کی۔ لکھنؤ کے قیام میں آغا حشر کے ڈرامے تھیٹر میں دیکھے، شیکسپیر کے ڈراموں سے بھی متاثر رہے۔ زود پشیماں ان کے جذبات عشق و محبت کی یادگار ہے اور جس میں بے جوڑ شادی، زر پرستی اور ظلم کے بھیانک نتائج دکھائے گئے ہیں۔ مکالمات اور کردار کشی بھی اچھی کی گئی ہے۔ زود پشیماں پر دیباچہ ان کے رفیق خصوصی مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا اور اس کی تعریف کی۔ انہوں نے ایک اور ڈراما بدسرشت بھی لکھا جو نامکمل صورت میں رسالہ الناظر لکھنؤ میں شائع ہوا مگر مکمل نہ ہو سکا۔ مگر قلب ماہیت کے بعد مولانا اس ڈرامہ نگاری کو اپنے لئے باعث ننگ سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر محمد حسن نے ان سے زود پشیماں کو اسٹیج کرنے کی اجازت مانگی تو ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو جواب میں لکھا:

''آپ کا خط پا کر آپ کی ستم ظریفی کا قائل ہو گیا۔ تھیٹر کو فروغ دینے کی کوشش میں ترغیب و تحسین کی توقع مجھ دقیانوسی ملّا مدیر صدق سے ع

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب!

زود پشیماں بالکل نوعمری کی تصنیف ہے اور وہ بھی بڑی حد تک قلم برداشتہ۔ شیکسپیر کا نشہ اس وقت سوار تھا اور دو چار کتابیں فن پر الٹی سیدھی پڑھ ڈالی تھیں۔ اب اگر کتاب پر نظر ثانی کروں تو پچاس فیصدی بدل ڈالوں۔ ایسی کتاب کو آپ یاد ہی کیوں دلاتے ہیں جس کے ذکر سے ہی شرمندہ ہوا جاتا ہوں''

غرض یہ کہ شاعری اور ڈرامہ کی طرف مولانا نے زیادہ توجہ نہ کی بلکہ آخر میں تو اس کو اپنی دور جاہلیت کی یادگار سمجھنے لگے تھے مگر ان کی ادبی زندگی اور طرز فکر کے مطالعہ میں اس کو بھی اہمیت حاصل ہے۔

تحقیق و ترتیب

مولانا کو تحقیق اور فن ترتیب سے بھی دلچسپی تھی البتہ اپنی گوناگوں علمی و صحافتی مصروفیات کی بنا پر اس کی طرف زیادہ توجہ نہ کر سکے۔ پھر بھی انہوں نے کچھ کتابوں اور خطوط کی ترتیب و تحقیق کی اور حسب ذیل کتب کو ایڈٹ کر کے شائع کرایا۔

۱۔ فیہ مافیہ:- ملفوظات مولانا جلال الدین رومیؒ: دائرہ اسلام میں واپس آنے کے بعد کچھ عرصہ تک مولانا کو مشہور بزرگ اور درویش مولانا جلال الدین رومیؒ سے والہانہ عقیدت رہی۔ اسی زمانے میں ان کو کتب خانہ رامپور (موجودہ رضا لائبریری) سے ان کے ملفوظات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''فیہ مافیہ'' کے ایک نسخہ کی نقل مل گئی، اس کے بعد حیدر آباد میں ایک نسخہ نواب سالار جنگ کے کتب خانے سے اور دوسرا نسخہ کتب خانہ آصفیہ سے مل گیا۔ انہوں نے تینوں نسخوں کا مقابلہ کر کے ایک کتاب مرتب کی۔ پھر انہیں اطلاع ملی کہ انگلستان کے مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن مثنوی مولانا رومؒ اور اس کی متعلقات پر کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان سے خط و کتابت کی اور نکلسن صاحب نے ان کو ایک اور خوبصورت اور مکمل نسخہ جوان کو قسطنطنیہ میں ملا تھا کی نقل بھیج دی۔ چنانچہ ان چار نسخوں کو بڑی محنت سے مدون و مرتب کیا اور اپنے دیباچہ میں مولانا رومؒ کے حالات زندگی کے ساتھ اس رسالہ کے مشمولات کا تعارف کرایا۔ البتہ یہ بھی اعتراف کیا کہ جو جوش و خروش، کیف و مستی، درد و گداز مثنوی معنوی کے ایک ایک شعر میں ہے اس کا مقابلہ ملفوظات کے سارے اوراق بھی مل کر نہیں کر سکتے۔

۲۔ مثنوی بحر المحبت مصحفی:- اس مثنوی کا ایک قلمی مخطوطہ مولانا کو اپنے خالہ زاد بھائی حکیم عبد الحسیب دریابادی کی لائبریری میں ملا اور پھر ان کے دوست میر محفوظ علی بدایونی کے ذریعہ ایک اور قلمی نسخہ ملا۔ انہوں نے دونوں نسخوں کا باہمی مقابلہ کیا، متن کی تصحیح کی اور اپنے دیباچہ میں مصحفی کے حالات، ان کے اشعار کا بھی انتخاب بھی دیا۔ مصحفی نے یہ مثنوی مشہور شاعر میر تقی میر کی مثنوی دریائے عشق کے نمونہ پر لکھی تھی۔ چنانچہ مولانا نے دونوں مثنویوں کے پلاٹ، طرز بیان، مماثل اور اختلافی باتوں کا مقابلہ کیا اور دونوں عظیم شاعروں کے مقام و مرتبہ پر تنقید کی۔ انہوں نے میر کی مثنوی کے اشعار کی دل نشینی کے ساتھ ساتھ مصحفی کی بلاغت اور بے ساختہ پن کی داد دی اور مفصل حاشیئے بھی لکھے۔

۳۔ تحفۂ خسروی:- ۱۹۲۱ء میں مولانا نے نظام حکومت، حاکم محکوم کے تعلقات و فرائض، عدل و آداب سلطنت پر مختلف کتابوں جن میں قرآن، حدیث کے علاوہ پند نامہ عطار، اخلاق جلالی، گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی، مثنوی معنوی، شاہنامہ، کیمیائے سعادت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ سے اقتباسات جمع کر کے ایک انتخاب تحفۂ خسروی کے نام سے شائع کیا۔ جس کی غایت وتعارف انہوں نے اپنے دیباچہ میں اس طرح بیان کی ہے۔

"..... مسلمانوں میں جب تک اسلام غالب رہا تاج شاہی ہمیشہ عمامہ شریعت، وجیہ طریقت کے اشاروں پر حرکت کرنا اپنا فرض سمجھتا رہا لیکن اب جب کہ یہ بیدار کرنے والی جماعت خود خواب غفلت کی نذر ہے عام خادمان علم پر فرض ہے کہ اس شمع ہدایت کو اپنی بساط کے مطابق روشن رکھیں۔ سردست چند مستند ماخذوں سے صرف اقتباسات لے کر مختلف عنوانات جیسے نیابت الٰہی، شکر نعمت، خوف خدا، عدل و داد گستری، شفقت وحسن و اخلاق، انتخاب صحبت و حفظ مراتب اہل علم، فرائض رعایا و صائے افلاطون و ارسطو، کے تحت مرتب کر کے بغیر کسی قسم کی رائے زنی کے پیش کئے جا رہے ہیں۔ سوچا کہ مسلمان والیان ریاست، امراء و حکام اعلیٰ نیز عامہ مسلمین کے کئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید و سبق آموز ہوگا"۔

اس مختصر کتاب میں حکمت و دانش کے اعلیٰ و متوازن اقوال جمع کئے گئے ہیں۔

۴۔ خطوط مشاہیر:- اس مجموعہ کلام میں مولانا کے نام مولانا شبلی، اکبرالہ آبادی اور مولانا محمد علی کے ۲۶۷ خطوط شامل ہیں۔ یہ تینوں حضرات مولانا سے سن میں بڑے تھے مگر مولانا ان سے بہت متاثر تھے اور ان تینوں نے ان کی شخصیت کو بنانے میں بڑا حصہ لیا۔ مولانا کے ان سے گہرے علمی، وفکری، جذباتی اور ذہنی رابطے تھے اور یہ تینوں مولانا کی ذہانت اور قابلیت کے معترف تھے چنانچہ ان خطوط سے ایسا لگتا ہے جیسے اپنے سے بے تکلف برابر والوں نے لکھے ہیں۔ اپنے دیباچہ میں انہوں نے مکتوب نگاروں کی شخصیت اور خود اپنے بارے میں ضروری باتیں لکھی ہیں اور جا بجا حاشیئے بھی دیئے ہیں۔ اس میں مولانا شبلی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چالیس خط ہیں جن سے ان کی مجتہدانہ بصیرت، وسعت نظر اور تحقیق و جستجو کی لگن کا پتہ چلتا ہے۔ جابجا انہوں نے مکتوب الیہ کی عقل پرستی اور مذہب بیزاری کے خلاف حکیمانہ تبلیغ و نصیحت کا انداز اختیار کیا ہے۔ اور مولانا پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

اکبر کے خطوط تعدد و معنویت کے اعتبار سے زیادہ اہم ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر عمر کے فرق کے باوجود مولانا کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کی قابلیت و صلاحیت کے اعتراف کے ساتھ بڑی حکمت اور خلوص سے ان کی الحاد و تشکیک کی روش پر ٹوکتے اور کلام مجید و اسلامی اصولوں کی برتری ثابت کرتے رہے۔ ان کی صحبت اور خطوط نے مولانا کو راہ راست پر لانے میں بڑی مدد کی جس کا اعتراف وہ بڑی ممنونیت سے اور کھل کر کرتے رہے۔ تیسرے حصے جوہر نامہ میں مولانا محمد علی کے تیس خطوط شامل ہیں جن میں کئی خط یورپ سے بھی لکھے گئے ہیں ان خطوط میں زندہ دلی، شگفتگی، جذباتیت، حزن و ملال کی کیفیات بڑی بے تکلفی سے بیان کی گئی ہیں اور علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ تبلیغ اسلام، حضور اکرمؐ سے والہانہ عقیدت اور دانش فرنگ کے بارے میں انہوں نے جس خلوص اور جوش و خروش سے اپنے اس وقت کے گمراہ دوست کو پند سود مند اور مؤثر نصیحتیں کی ہیں وہ ادبی و معنوی دونوں اعتبار سے قابل داد ہیں کیونکہ انہوں نے ان کے قلب کے رنگ کو زائل کرنے میں بڑی مدد کی، ان خطوط سے خط لکھنے والے اور خود مولانا کی زندگی کے بارے میں قیمتی اور مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۵۔ مکتوبات سلیمانی (۲ جلد):- ہندو پاکستان کے نامور جید عالم اور جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی سے مولانا کے موانست و رفاقت کے مخلصانہ تعلقات بچپن ہی سے قائم ہو گئے تھے جن میں روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ ان دونوں کے موانست و رفاقت کے مخلصانہ تعلقات تقریباً ۵۲-۵۳ سال قائم رہے۔ اس مجموعہ میں سید صاحب کے ۴۰۱ خطوط شامل ہیں جن میں بے تکلفی کے ساتھ علمی، مذہبی، فقہی اور ادبی موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ندوۃ العلماء، دارالمصنفین، جمیعۃ العلماء، خلافت تحریک، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ کہیں مولانا کی کتابوں اور مضامین کی داد دی گئی کہیں ان کی ملحدانہ اور بعد میں 'مولویت' پر لطیف وشگفتہ انداز میں گرفت کی گئی ہے۔ ان خطوط میں سید سلیمان ندوی کا شگفتہ اور بے ساختہ اسلوب جس میں ضلع جگت اور رعایت لفظی کا استعمال بڑے سلیقہ سے کیا گیا ہے، اپنے شباب پر نظر آتا ہے۔ جلد اول میں مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال کے دو خط سید سلیمان ندوی کے نام بھی شامل کئے گئے ہیں جس میں انہوں نے اپنی بعض لغزشوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کیا۔ جن کی اشاعت سے ارباب دارالمصنفین اور مولانا آزاد کے غالی معتقدین کے تعلقات مولانا سے کشیدہ ہو گئے مگر ان خطوط اور ان پر مولانا کے مفصل حاشیوں کی تاریخی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ جن سے مولانا ابوالکلام آزاد کی عالی ظرفی اور اچھے اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے اس زمانہ کے سیاسی اور معاشی حالات کا نقشہ، تقسیم ملک کی تباہی، مولانا ندوی کی ہجرت پاکستان وغیرہ کے واقعات نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔

انشائیے

مولانا کے ادبی مضامین اور مقالات کے کئی مجموعے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے تھے پھر ان کے انتقال کے بعد کئی اور مجموعے شائع ہوئے جن کو وہ انشائیہ کہنا بہتر سمجھتے تھے۔ یہ انشائیے ان کے منفرد شگفتہ اسلوب کے بہترین نمونے ہیں اور اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے مناسب اور موزوں پیرایہ میں اظہار خیال ہوتا ہے۔ چنانچہ فلسفہ ونفسیات اور ترجموں میں علمی زبان استعمال کرتے ہیں۔ عبرت اندوزی اور درد وغم کی مرقع نگاری میں سوز وگداز سے مملو الفاظ اور ترکیبیں ہوتی ہیں۔ شگفتگی، انبساط اور جوش وخروش طنز ومزاح کے جذبات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے جاذب نظر سرخیاں، لکھنوی روز مرہ اور محاوروں کے مطابق چھوٹ چھوٹے جملے، برجستہ شعر یا مصرع ان کے انداز بیان کو بڑا دلکش اور دلچسپ بنا دیتے ہیں۔ ان کی زندگی میں اور کچھ مجموعے مضامین عبدالماجد دریابادی حیدرآباد سے، اس کے بعد مقالات ماجد بمبئی اور لاہور سے اور انشائے ماجدی کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اور بڑے بھتیجے حکیم عبدالقوی مرحوم نے ان مضامین کا ایک اعلیٰ مجموعہ لطائف ادب مرتب کیا جس کو بڑے اہتمام سے ان کے نادیدہ مخلص و معتقد حاجی منظور علی صاحب مرحوم نے کلکتہ سے اپنے قائم کردہ ادارۂ انشائے ماجدی سے چھاپا۔ محترم حاجی صاحب نے ان کے تعزیتی مضامین 'وفیات ماجدی' جو اپنے منفرد اسلوب اور تاثر کے لحاظ سے بے مثل ہیں شائع کئے جو اس سے قبل مولانا عبدالماجد اکیڈمی لکھنؤ شائع کر چکی تھی۔ ادارۂ انشائے ماجدی نے ان کے خطبات نکاح کا مجموعہ خطبات ماجدی کے بھی دو ایڈیشن شائع کئے جو مولاناؒ نے اپنی لڑکیوں کے نکاح کے موقع پر پڑھ کر سنائے تھے اور بہت پسند کئے گئے تھے۔

اس کے علاوہ کچھ چھوٹے کتابچے اور رسالے مثلاً ندوۃ العلماء کا پیام 'فرزندان ندوہ کے نام'، 'مرشد کی تلاش'، 'تقلید و عدم تقلید'، صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ نے 'یتیم کا راج' لاہور اور دہلی سے، ''تمدن اسلام کی کہانی'' علی گڑھ اور لکھنؤ سے، ''جدید قصص الانبیاء کے چند ابواب'' پیشاور سے شائع ہوئے۔ ان میں سے زیادہ تر ان کے مجموعہ مضامین یا کتابوں میں شامل ہیں۔

مولانا نے اپنے ہفتہ وار اخباروں سچ، صدق اور صدق جدید میں بالتزام بطور اداریہ سچی باتیں کے عنوان سے ایک کالم لکھنا شروع کیا جو اپنی حسن انشاء معنویت اور ادبی دلآویزی کی وجہ سے بہت مقبول ہوئیں۔ ان کا ایک انتخاب 'سچی باتیں' جلد اول صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ اور پھر ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ اور کچھ جلدیں زیر اشاعت ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریڈیو نشریئے

ہندوستان اور پاکستان کے علماء میں سے مولانا ان چند گنے چنے افراد میں تھے جنہوں نے ریڈیو سے تقریریں talks نشر کیں اور اس کے ذریعہ سے ادب، مذہب اور معاشرہ کی بڑی خدمت انجام دی۔ ورنہ عام علماء اس اہم ذریعہ نشر و اشاعت کو فسق اور آلہ لہو و لعب سمجھتے تھے۔ مولانا سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس ذریعہ ابلاغ سے ادب اور اخلاق کی مفید خدمت کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے پچاس سے زیادہ تقریریں ریڈیو سے مختلف ادبی، مذہبی اور علمی عنوانات پر ہلکی پھلکی مگر سلیس و شگفتہ زبان میں نشر کیں اور کوشش کر کے ان talks کو جو عام تقریروں سے ہٹ کر بے تکلف گفتگو ہوتی ہیں کو نشر کرنے کا ایک مخصوص انداز اختیار کیا۔ جس میں آواز کے اتار چڑھاؤ اور مناسب الفاظ و ترکیبوں سے ایسی ادبی دلآویزی اور شگفتگی پیدا ہوگئی جس کی صاحب ذوق حضرات اور خود آل انڈیا ریڈیو کے محکمہ نے بہت پسند کیا۔ یہ تقریریں انہوں نے زیادہ تر لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن اور کچھ دہلی اور کشمیر ریڈیو سے نشر کیں۔ یہ تقریریں ان کے ہفتہ وار اخبار صدق اور صدق جدید میں شائع ہوتی رہیں۔ ان کے انتقال کے بعد نشریات ماجدی کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔ میر تقی میرؔ، امیر خسروؔ، نظیر اکبر آبادی، اکبر الہ آبادی، مولانا اشرف علی تھانوی، ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، توبۃ النصوح، امراؤ جان ادا، حیات شبلی، اقبال کے شکوہ جواب شکوہ، ہماری زندگی اور اس کے رنگ ڈھنگ، نیکی کر اور دریا میں ڈال، یاد ایام وغیرہ عنوانات پر کئے گئے مولانا کے نشریئے اردو ادب میں خاصے کی چیز سمجھے جاتے ہیں۔ ان نشریوں سے مولانا کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بحیثیت عالم، ادیب، انشا پرداز، نقاد، مصلح و مفکر اور اہل زبان کا درجہ کتنا بلند تھا۔ انتقال سے چند ماہ قبل لکھنؤ ٹیلی ویژن کی فرمائش پر ان کے ایک عزیز اشتیاق احمد عباسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب بیرسٹر لکھنؤ جو خود علمی ذوق رکھتے تھے نے ان کی ادبی زندگی اور مشاہدات زندگی پر ان سے انٹرویو لیا جس کو بہت پسند کیا گیا۔

اسلوب کی خصوصیات

مولانا عہد حاضر کے بہترین نثر نگاروں میں تھے۔ وہ بنیادی طور پر ایک ادیب تھے اور ان کا اپنا ایک خاص اور منفرد اسلوب تھا جس کے وہ موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ اس کی شہادت ان کی تصنیفات، مقالات، نشریات اور مکتوبات بدرجہ اتم دیتے ہیں۔ شگفتگی، ایجاز و اختصار، رعایت لفظی، اشعار و مصرعوں کا برمحل و برجستہ استعمال، جاذب نظر بولتی سرخیاں اور متعدد بہترین لکھنوی روزمرّہ و محاوروں کا استعمال ان کے اسلوب کی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کا شمار اعلیٰ پایہ کے صاحب طرز نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم جو خود بھی ایک مستند اور صاحب ذوق ادیب تھے نے ان کو صاحب قرآن کا لقب دیا اسی طرح پروفیسر احتشام حسین، سید عبداللہ، مرزا ادیب، ابو سلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر تحسین فراقی جیسے معتبر نقادوں نے ان کے اسلوب کو بے حد سراہا ہے۔

مولانا کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ جس موضوع پر لکھتے تھے اس پر ان کی گرفت پورے طور پر ہوتی تھی، ان کی تمہید، سرخیاں اور لفظی و معنوی دلآویزی پڑھنے والوں کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں غضب کی آمد، روانی، موزوں تلمیحات و دلکش محاکات، سچے جذبات کی عکاسی، سوز گداز، عبرت آموزی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ ان کو لغت اور صحت زبان سے بڑی دلچسپی تھی اور اس بارے میں وہ اپنے کو ہمیشہ طالب علم کہا کرتے اور اپنے معاصرین بلکہ چھوٹوں تک سے بھی ہمیشہ استفادہ کے لئے تیار رہتے۔ ان کے انشائیوں میں فصاحت و بلاغت کی جملہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں مگر زوردار لہجہ میں مخاطب اور مختلف قسم کے جذبات کی لہروں سے نثر میں نظم کا کیف و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرور پیدا ہوتا، کہیں کہیں استفہامیہ وطنزیہ انداز کی وجہ سے معنوی اشاریت و روانی اور عبارت کی شگفتگی اور تاثر میں زبردست اضافہ ہوجاتا ہے۔ مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے مرقعے، خاکے، نشریئے اور انشائیے اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے اور اردو ادب میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے شگفتہ انشائیوں، نشریوں اور مکاتیب کے چند دلچسپ اقتباسات پیش ہیں۔

ہندوستان میں یکم جنوری ۱۹۵۴ء سے اکنّی کے مروّجہ سکہ کو قانونی طور پر ختم کردیا گیا اس پر مولانا نے اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں حکیمانہ نکتہ طرازی کے ساتھ اپنے ماضی کو اس طرح یاد کیا:

> ''دنیا میں ہر چیز کی طرح سکّوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے، تنکہ، دھیلی، پاؤلی کو آج کون جانتا ہے۔ اکنّی کا شمار کوئی بہت پرانے سکّوں میں نہیں بلکہ زیادہ عمر کے لوگوں کو تو ابھی اس کا اجراء یاد ہوگا۔ ۱۹۰۷ء ہی سے تو چلی تھی۔ پہلے کوڑی بعد کو دھیلے کا دور ختم ہونے کے بعد اب غریب غرباء بلکہ متوسط الحال لوگوں کا بھی سب سے زیادہ محبوب اور مرغوب کارآمد اور چلتا ہوا سکّہ یہی تھا۔ اور کتنی خوشگوار یادیں بچپن سے لے کر اب تک کی نکل کے اس چھوٹے سے سکّہ سے وابستہ ہیں۔ ایک آنہ کی مونگ پھلی سے جیب کیسے بھر جاتی تھی، ایک آنہ کی مٹھائی اتنی مل جاتی تھی کہ کئی کئی حصہ اس میں لگ جاتے تھے۔ ایک پلیٹ فارم کا ٹکٹ ایک آنے کا، اخبار ایک آنہ کا، ریلوے کا ٹائم ٹیبل ایک آنہ میں، قلی کی مزدوری ایک آنہ میں، یکّہ کا کرایا ایک آنہ، غرض ہماشما کا حاجت روا ایک آنہ، اشرفی اور سادرن اور گنّی جس طرح دیکھتے دیکھتے رخصت ہوگئیں اس منزل کی طرف اکنّی بھی چلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور چند روز بعد اس کا نام ہی سکّوں کی تاریخ میں رہ جائے گا اور شکل شاید عجائب خانوں ہی کے اندر نظر پڑے۔ غم اس کے جانے کا نہ کیجئے جو چیز آتی ہے جانے ہی کے لئے آتی ہے خواہ جلد خواہ بدیر۔ سوچئے یہ کہ بے شمار اکنیاں جو آپ کے ہاتھ سے نکلیں کس مد میں اٹھیں؟ موقع خیر پر یا اس کے برعکس.....''

اسی طرح اپنے ایک دلچسپ مضمون ''الفاظ کا جادو'' میں میاں پیرو نامی ایک دیہاتی جراح کا تقابل شہر کے مشہور سرجن ڈاکٹر صدیقی سے اس طرح کیا ہے:

''میاں پیرو قصبہ کے جانے پہچانے جراح ہیں۔ بوڑھے بچے جوان سب ان کے معتقد ہیں۔ ہندو مسلم سب ان کے کمال فن کے قائل ہیں۔ صبح منہ اندھیرے اپنا بغچہ جراحی بغل میں داب کر کئی میل کے دیہاتوں کا پیدل گشت لگا کر دوپہر تک اپنی کچی دیواروں اور کچی چھت والے مکان میں واپس آجاتے ہیں کبھی کبھی دور جانے کے لئے قسمت سے ایکّہ کی سواری بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ آلات جراحی میں ان کے پاس ایک نشتر ہے۔ وہ بھی نیا نہیں بلکہ ان ہی کی طرح سال خوردہ۔ اس سے وہ پھوڑے پھنسیوں میں شگاف لگاتے ہیں اور بغچے کے اندر خانہ دار بکس میں تین چار طرح کے مرہم ہوتے ہیں کوئی لال کوئی سفید کوئی زمردین۔ ایک مرہم زلگاری بھی ہوتا ہے جس کی سب تعریف کرتے ہیں۔ زخم کیسا ہی ہو اس سے بھر جاتا ہے۔ یہ سارے مرہم جڑی بوٹیوں کے خانہ ساز ہوتے ہیں اور ان ہی میں جراح صاحب کی حذاقت اور مسیحا نفسی کا راز چھپا ہوا ہے۔ جراثیم کش ادویہ Antiseptic، صابن اور عرق وغیرہ کے بارے میں وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ جانتے ہی نہیں یہ سب اس لئے کہ وہ محض ایک جراح ہیں۔

شہر کے مشہور سرجن ڈاکٹر صدیقی کا نام تو آپ نے بھی سنا ہوگا۔ شہر میں بھی ان کی فیس معقول ہے اور باہر جانے کی تو کئی سو یومیہ ہے۔ ذاتی کوٹھی کے علاوہ مطب کی بھی عالیشان عمارت ہے۔ در و دیوار کتنے شفاف کہ گماں آئینے کا ہونے لگے۔ فرش اتنا چکنا کہ پائے نظر بھی پھسل جائے۔ چھوٹے بڑے نازک و نفیس اور خوفناک و خونخوار دونوں قسم کے آلات جراحی کا وہ ذخیرہ کہ کنسلٹیشن روم کے ڈانڈے میوزیم سے مل جائیں۔ دو دو کمپاؤنڈر ہر وقت کمر بستہ، سفر عموماً فرسٹ کلاس میں اور کبھی ایر کنڈیشنڈ ڈبے میں اور زیادہ دور کا سفر ہوائی جہاز پر۔ ماہانہ آمدنی اوسط کئی ہزار روپیہ۔ یہ سب برکت اس کی کہ وہ ماشاءاللہ سرجن ہیں جراح نہیں"۔

ان کے اسلوب کا ایک خاص وصف عبرت آفرینی، گداز، غم و حزن کی مرقع کشی اور درد بھرے جذبات کی سچی عکاسی ہے۔ چنانچہ پاکستان کے ایک سفر میں شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے کو دیکھ کر یوں تاثر آفرینی کرتے ہیں:

"چشم کے تصور کے سامنے ذرا وہ وقت لائیے جب آج سے چار صدی قبل اس شہنشاہ ہند کا انتقال ہوا ہوگا۔ "ظلّ سبحانی" کے اٹھ جانے سے رعایا کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ وہ دن کیسے کٹا ہوگا؟ بادشاہ کی تجہیز و تکفین کا منظر کتنا مؤثر ہوگا؟ جنازہ کا جلوس کس شان سے اٹھا ہوگا؟ جس جگہ اس وقت مقبرہ ہے اس وقت یہاں کون رہ رہا ہوگا؟"

مولانا کو اپنے روحانی پیشوا اور مربی مولانا اشرف علی تھانویؒ سے والہانہ عقیدت تھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ ان کے انتقال کے بعد فاتحہ پڑھنے تھانہ بھون گئے اور وہاں کے تاثرات اس طرح بیان کئے:

''جی میں آیا کہ مٹی اٹھا کر آنکھوں سے لگایئے۔ عقل نے کچھ اور ہی سمجھایا، روتی ہوئی آنکھوں اور روتے ہوئے دل کے ساتھ سلام رخصت عرض کیا اور اپنے کو خانقاہ تک پہنچایا۔ خانقاہ! آہ وہ روح بے جسد، وہ مکان بے مکین وہ انگشتری بے نگین! مدرسہ چل رہا تھا لیکن سہ دری خاموش و ویران، بجھی ہوئی شمع، ایک ہو کا عالم، سناٹے کا مقام، نہ دری نہ جاجم نہ تکیہ نہ مسند، نہ ڈسک نہ قلمدان۔ یاد ایک ایک چیز کی آتی رہی۔ یوں آنا ہوتا تھا یوں بیٹھنا ہوتا تھا۔ کیا کیا سننے میں کیا کیا دیکھنے میں آتا تھا۔ آہ تو کیا تیرا یہ بندہ بھی فانی تھا''۔

اپنی والدہ ماجدہ، محبوب شریک حیات اور ملازم خاص (حاجی محبّ علی) کی وفات پر مولانا نے جو مؤثر مضامین لکھے وہ وفیاتی یا رثائی ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اپنے عزیز دوستوں، محسنوں اور مخلصوں اور ادبی کرداروں کے لئے ان کے قلم سے بڑے مؤثر اور دل کو چھونے والے الوداعیے نکلے ہیں جن کے نمونے وفیات ماجدی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ان کی عبارتوں میں حسن تخیل، محاکات، صنعت تضاد، مترادفات اور رعایت لفظی کا بڑا حسین اور دلکش امتزاج ملتا ہے۔ موزوں تلمیحات، پرکشش سرخیاں اور برجستہ اشعار و مصرعوں سے ان کی تحریروں میں بلا کی دلآویزی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں مقفیٰ اور مسجع عبارت بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اردو ایڈیٹروں کی کانفرنس منعقدہ لکھنؤ میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے موقع پر مولانا نے ان کے خیر مقدم میں ایک خطبہ لکھنؤ کی طرف سے پیش کیا جو اس کی دلچسپ مثال ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آیئے آیئے میری سرزمین پر مہمان کرام، آیئے اور ایک زنانہ محاورہ میں جم جم آیئے اور نزول اجلال فرمایئے۔ میرے فرش پر ادب وصحافت کے عرش سے، تشریف لایئے، دہلی یا شاہجہاں آباد سے، آگرہ یا اکبر آباد سے، پٹنہ یا عظیم آباد سے، رامپور دار السرور سے، بھوپال دار الاقبال سے، میسور سراپا نور سے، بمبئی بند سے، کلکتہ ساحل سمندر سے، حیدر آباد فرخندہ بنیاد سے، مدراس سینو سواد سے، گجرات معدن برکات سے''۔

ان کے خطوط و پیغامات میں ایجاز و اختصار اور رعایت لفظی اور ضلع جگت کے بہترین نمونے ملتے ہیں، پاکستان کے سالہ افکار کے مدیر صہبا لکھنوی نے جوش نمبر نکالنے کے بعد حفیظ جالندھری نمبر کے لئے مولانا سے پیغام بھیجنے کی فرمائش کی۔ مولانا نے جواب میں ان کو لکھا:

''جوش نمبر کے بعد حفیظ جالندھری نمبر۔ آتش سیال کے بعد دور ماء اللحم اور شربت روح افزا کا۔ الحاد کو شہ دینے کے بعد تحسین و پیشوائی اسلام کی۔ حسن تلافی کا حسین و قابل دید نمونہ''۔

اسی طرح کراچی کے رسالہ ''نیا راہی'' کے سلیمان ندوی نمبر کے لئے انہوں نے یہ مختصر پیغام بھیجا:

''سلیمان نمبر کے سلیمان کے شایان شان یہ 'مور ضعیف' 'پر و بال' کہاں سے لائے''۔

ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے اردو کے نمائندوں میں مولانا کے ساتھ آل احمد سرور استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی تھے وہ اس جلسے میں شریک ہونے کے بجائے کسی اور جلسہ میں پٹنہ چلے گئے۔ اس موقع پر مولانا نے انہیں خط میں لکھا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آپ اُدھر پٹنے گئے اِدھر آپ کا یہ نیاز مند پٹنے کے قریب پہنچ گیا، اردو کا تن تنہا نمائندہ یہ بے زبان۔ آپ نے شرکت نہ کر کے ظلم کیا اردو پر، اکیڈمی پر اور خود اپنے اوپر۔ کون جانتا تھا کہ یہ غم 'سرور' کے ہاتھوں اٹھانا پڑے گا''۔

اس قسم کی شگفتہ نگاری مکتوبات ماجدی اور ان کے مضامین اور شذرات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اپنے نشریوں میں سادہ اور عام فہم زبان میں بہت سے ادیبوں، شاعروں اور سیاسی و مذہبی شخصیات کی چلتی پھرتی اور زندگی سے معمور تصویریں کھینچی ہیں۔ 'میر تقی میر' پر لکھنؤ ریڈیو سے ایک نشریہ میں فرماتے ہیں:

''یہ میر صاحب تھے کہاں کے؟ کس خاک سے اٹھے؟ کس خاک میں ملے؟ آنکھ اکبرآباد کی سرزمین میں کھولی، یہیں پلے بڑھے کھیلے کودے۔ قدم جوانی کی دہلیز پر رکھا ہی تھا کہ دلّی کی کشش نے زور دکھایا۔ آئے اور جیسے یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ جوانی کی چڑھی ہوئی کمان ابھی اتری ہی تھی کہ آصف الدولہ کی قدردانیاں پیشوائیاں بڑھیں اور لکھنؤ کھینچ لائیں اور سعادت علی خاں کے زمانے میں یہیں تربت کو آباد کیا''۔

غرض یہ کہ مولانا اپنے منفرد، متنوع اور شگفتہ اسلوب بیان کی بنیاد پر اپنی الگ امتیازی شناخت رکھتے ہیں اور اردو ادب کے اکابرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

صحافت

مولانا مرحوم کی متنوع اور امتیازی علمی و ادبی خدمات میں صحافت کو ابھی ایک اہم درجہ حاصل ہے اور ان کا شمار ان باکمال صحافیوں میں سے کیا جاتا ہے وہ ایک طرف ادیب بے بدل اور صاحب طرز انشا پرداز تھے، نامور عالم و مفسر قرآن بھی تھے اور اسی کے ساتھ مصلح و مفکر بھی تھے۔ انہوں نے اردو اخبارات و رسائل میں مضمون نگاری تو اسکول کی طالب علمی کے زمانے سے شروع کر دی تھی چنانچہ وکیل امرتسر، اودھ اخبار لکھنؤ، ریاض الاخبار گورکھپور، الندوۃ لکھنؤ، الناظر لکھنؤ میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے پھر کچھ عرصہ تک انگریزی میں مراسلات، تبصرے اور مضامین بھی لکھتے رہے۔ لیکن باقاعدہ صحافت کے میدان میں جنوری ۱۹۲۵ء میں قدم رکھا اور لکھنؤ سے ایک اردو ہفتہ وار پیچ کے نام سے مولوی ظفر الملک علوی اور مولوی عبدالرحمٰن نگرامی کے ساتھ مل کر جاری کیا۔ شروع کے صلاح و مشورے میں عبدالرزاق ملیح آبادی بھی شامل رہے مگر پھر وہ کلکتہ چلے گئے اور ان کے خیالات میں بھی انقلاب عظیم آ گیا۔ مولانا کا صحافت سے تعلق وفات سے چند ماہ قبل تک یعنی تقریباً باون برس کی مدت تک رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے بہت سے قلمی معرکے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سر کیے ،فکری لڑائیاں لڑیں، تہذیب مغرب اور دانش حاضر کے خلاف مسلسل جہاد کرتے رہےاوراس کی بے وقعتی کونمایاں کرتے رہے۔ملک میں اسلامی اور مشرقی اقدار کی حمایت وتحفظ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔فرنگیت اور تہند (آزادی کے بعد)، بدعات، معاشرتی مفسدات اور غیر شریفانہ ادب کے خلاف بڑی بے باکی اور سچائی سے اپنے قلم کو حرکت دیتے رہے۔انہوں نے صحافت کو بطور عبادت اختیار کیا تھا اور اس کے لئے کچھ ایسے زریں رہبر اصول مرتب کئے اوران پر کامیابی سے عمل کیا جن سے اردو صحافت کو اعتبار و استناد حاصل ہوااور بڑا نفع پہنچا۔اس لحاظ سے ان کی وقیع صحافتی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کرنا ضروری ہے۔

جب انہوں نے مضمون نگاری اور صحافت کی طرف توجہ کی تو لکھنؤ سے کچھ اردو اخبارات شائع ہورہے تھے جن میں منشی نول کشور کے اودھ اخبار کو خاص شہرت حاصل تھی، جو ہندو مسلم اتحاد کا پیکر تھا، اس کے بعد وہیں سے روزنامے ہمدم، ہمت، حقیقت شائع ہوئے۔اخباروں میں مزاحیہ وطنزیہ ہفتہ وار اودھ پنچ بڑی آب وتاب سے عرصہ تک نکلتا رہا۔ماہناموں میں الندوۃ، الناظر، دلگداز، صبح امید، معارف، العصر وغیرہ مشہور تھے۔ چنانچہ مولانا کے مراسلے اور مضامین مختلف علمی اور ادبی موضوعات پر ان میں شائع ہوا کرتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے مولانا کے تعلقات زمانۂ طالب علمی سے ہی ہو گئے تھے جو برابر بڑھتے رہے۔انہوں نے اپنے اخبار الہلال میں ایک مرتبہ مولانا دریابادی کے Pain and Pleasure کے اردو ترجمے حظ وکرب پر اعتراض کیا کہ وہ ان الفاظ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے ان کی جگہ 'لذت والم' کا استعمال کرنا چاہیئے تھا۔اس مسئلہ پر ایک طویل بحث شروع ہوگئی جو ادبی اور خاص کر لغت وروزمرہ سے تعلق رکھتی تھی۔اس بحث میں بدقسمتی سے کچھ تلخی اور ناخوشگواری پیدا ہوگئی۔فریقین کے دلائل کی روشنی میں کوئی فیصلہ نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکا۔ چار پانچ سال کے بعد مولانا کی رانچی میں نظر بندی کے دوران خط و کتابت سے یہ تلخی دور ہوگئی اور پھر دونوں اکابرین میں آخر دم تک شگفتہ اور دوستانہ تعلقات رہے۔ جن لوگوں نے اس بحث کی بنا پر مولانا دریابادی کو مولانا آزاد کا معاند یا دشمن قرار دیا ہے وہ سراسر غلطی پر ہیں۔

انگریزی میں مضامین اور تبصرے آئی ڈی ٹی، ایڈوکیٹ، نیچر، سیٹرڈے، ماڈرن ریویو، انڈین ریویو، تھیوسوفسٹ اور ایسٹ اینڈ ویسٹ میں شائع ہوتے تھے۔ مولانا نے مستقل شذرہ نگاری ۱۹۱۹ء سے رسالہ معارف میں شروع کی جو مولانا شبلیؒ کی یاد میں قائم کئے گئے ادبی ارادہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی طرف سے شائع ہوتا تھا۔ یہ شذرات ادبی، علمی، سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں وہ روزنامہ حقیقت کی ادارت بھی پس پردہ کرتے رہے نیز علی گڑھ منتھلی، کانفرنس گزٹ، زمانہ کانپور اور پھر مولانا محمد علیؒ کے ہمدرد کے لئے مقالے، مضامین، ترجمے، تبصرے وغیرہ لکھتے رہے اور مولانا کی سفر یورپ کے دوران اس کی نگرانی بھی کرتے رہے۔

مولانا نے تین ہفتہ وار سچ (۹ سال)، صدق (۱۶ سال) اور صدق جدید (۲۶ سال) نکالے۔ صدق جدید ان کے انتقال کے بعد ان کے لائق بھتیجے اور داماد حکیم عبدالقوی صاحب ۱۹۸۵ء تک نکالتے رہے۔ ان اخباروں کا تعارف اور مختصر جائزہ پیش ہے۔

ہفتہ وار سچ

سچ کچھ عرصہ تک ان کی اور مولوی ظفر الملک اور مولوی عبدالرحمٰن نگرامی کی مشترکہ ادارت میں نکلا، پھر مولوی ظفر الملک ایڈیٹری سے الگ ہوکر اس کے مہتمم ہوگئے اور مولوی عبدالرحمٰن نگرامی کا انتقال ہوگیا۔ سچ اپنے عام فہم نام اور مضامین کے اعلیٰ معیار و تنوع کی وجہ سے جلد ہی مشہور ہوگیا۔ اس کو اپنی زندگی میں بڑی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ شروع میں اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توجہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور ردّ بدعات ورسوم پر رہی پھر شریفی سعودی آویزش فتنہ انکار حدیث نیاز فتح پوری کے رسالہ نگار کی ملحدانہ اور اسلام دشمن روش، تجدد اور ترقی پسندی کا مد بلہ کرتا رہا جس کی وجہ سے بعض افراد و طبقے اس کے مخالف و معاند ہو گئے۔ ہندو مسلم اتحاد، تحریک خلافت وترک موالات کی حمایت پُر زور طریقہ پر کرتا رہا۔

سچ کو مولانا دریابادی میں بیٹھ کر مرتب کرتے تھے، پہلے صفحہ پر بطور اداریہ انہوں نے 'سچی باتیں' کے مستقل کالم کا آغاز کیا جو اس کے بعد ان کے ہفتہ وار صدق اور پھر صدق جدید میں اپریل ۱۹۸۵ء تک برابر شائع ہوتی رہیں، ان میں مذہبی، ادبی، علمی، اور عصری عنوانات پر شگفتہ انداز میں حکمت وفرزانگی کے سبق عام فہم اور دل نشین انداز میں بیان کئے جاتے تھے۔ 'سچی باتیں' براعظم صغیر (ہندوستان و پاکستان) کے متعدد اخبارات و رسائل میں نقل کی جاتی تھیں اور مقبولیت وقدر کی نظروں سے دیکھی جاتی تھیں۔ سچ زیادہ تر مشمولات مولانا کے قلم سے ہوتے تھے جن میں زیادہ تر شذرات ہوتے تھے جن میں مسائل و واقعات حاضرہ پر رائے زنی ہوتی تھی اور ان کی سرخیاں جاذب نظر اور دلچسپ ہوتی تھیں، پھر کسی مذہبی یا ادبی وعلمی موضوع پر کوئی مقالہ ہوتا تھا۔ بعد میں ترجمہ وتفسیر قرآن کا بھی کچھ حصہ شائع ہوتا تھا، نیز صاحب علم حضرات کے مقالے اور مراسلات ہوتے تھے۔ مذہبی اور ادبی کتابوں پر تبصرے ہوتے تھے اور دوسرے اخباروں سے منقولات بھی شامل کبھی کبھی شامل ہوتے تھے۔ اشتہار صرف کتابوں کے سفر حج کے متعلق کبھی کبھی شائع ہوتے تھے۔ اس کی پیشانی پر شیخ سعدیؒ کا یہ مشہور شعر مستقل طور پر درج رہتا تھا۔

راستی موجب رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از راہ است

کچھ عرصہ کے بعد یہ آیت قرآنی بھی پہلے صفحے پر درج ہونے لگی۔

الّذی جاء بالصدق و صدّق به اولٰئک هم المتقون.

سچ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں میں مغربی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیب وتمدن اور فرنگیت کی بے وقعتی اور تحقیر بٹھادی جس سے تحریک آزادی اور ملّی ولولوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اہل نظر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کام دور محکومیت میں جب برطانوی حکومت اور اس کی استعماریت اپنے شباب پر تھی کتنا دشوار اور نازک تھا۔ ۱۹۳۰ء میں بعض مضامین کی اشاعت پر حکومت یوپی نے سچ سے ضمانت طلب کی جس کے جمع نہ کرنے کی وجہ سے کئی ہفتہ تک پرچہ کی اشاعت بند رہی۔ بنیادی طور پر سچ ایک مذہبی پرچہ تھا جس کا مسلک کتاب وسنت کی روشنی میں اسلام کو پیش کرنا تھا اور ہندو مسلم اتحاد، اتحاد بین المسلمین کے ساتھ ردّ بدعات اور اصلاح معاشرہ کے لئے تعمیری کوششیں کرنا تھیں۔ مولانا مرحوم کے حسن انشاء، چھوٹے چھوٹے جملوں، لکھنؤ کی مستند روزمرہ کی زبان اور برجستہ سرخیوں کی وجہ سے پرچہ ادب العالیہ کا نمونہ بن گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ان خصوصیات میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ صدق جدید میں مولانا کا فن پوری بلندی پر پہنچ گیا۔

جس زمانے میں مولانا نے سچ نکالا شمالی ہندوستان کے مسلمانوں میں محرم، شب برأت، زیارت قبور وغیرہ کے سلسلے میں بدعات کا زور تھا۔ تعلیمی واخلاقی حالت بھی خراب تھی۔ عورتوں کو شرعی حصہ نہ دینے، عقد بیوگان اور تعدد ازدواج کو معیوب سمجھنے اور شادی بیاہ، فاتحہ وغیرہ میں اندھا دھند فضول خرچی کے ساتھ غیر شرعی رسوم پر عمل کیا جاتا تھا۔ سچ نے بڑی پامردی اور مستقل مزاجی سے ان خرابیوں کے خلاف آواز بلند کی اور مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کی۔

ملک کی سیاست میں سچ خلافت کانفرنس، کانگریس اور جمعیۃ العلماء کا حامی تھا۔ ہندو مسلم اتحاد، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات، جنگ آزادی، گاندھی جی کی اہنسا، چرخہ، کھدر، ستیہ گرہ کی تائید میں مولانا کے اور دوسروں کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین برابر شائع ہوتے تھے۔ گاندھی جی کو مولانا مرحوم ایک سیاسی قائد اور مصلح مانتے تھے اور ان کے اخلاص، عقیدہ توحید سے قربت اور اصولوں کی پابندی کے قائل تھے۔ اس زمانہ میں جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامور شخصیتوں سے مولانا متاثر ہوئے اور آخر تک رہے ان میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی وغیرہ شامل تھے۔ غیر مسلم ہستیوں میں گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، مسٹر سی آر داس، جواہر لال نہرو کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی زمانہ میں مولانا کا تعلق دار العلوم دیو بند، ندوۃ العلماء، مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے ملّی اداروں سے اور دارالمصنفین اعظم گڑھ، ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد، انجمن ترقی اردو ہند جیسے ادبی اداروں سے قائم ہوا اور برابر بڑھتا رہا۔ جس کی جھلکیاں سچ میں جا بجا ملتی ہیں۔

سچ کے بنیادی مقاصد میں مذہبی، ملّی اور مشرقی قدروں کا تحفظ اور ان پر خفیف سے خفیف حملہ کا مقابلہ کرنا شامل تھا۔ مولانا مرحوم ان معاملات میں بے حد حساس تھے، انہوں نے مذہب اسلام، ذات باری، کلام مجید، حضور اکرمؐ، اسلامی تہذیب و مشرقی اقدار کے خلاف کسی بھی گستاخی یا جسارت کو برداشت نہیں کیا۔ اسی طرح فحاشی، علم و اخلاق کی پامالی اور بے وقعتی کے خلاف برابر قلمی جہاد کرتے رہے۔ ایسے مجرموں کے خلاف وہ بڑے سلیقہ اور منطقی انداز سے صحافتی محاذ کھولتے اور ان کو زیادہ سے زیادہ یکّہ و تنہا کرنے اور ملزم قرار دینے کی کوشش کرتے تھے۔ اس حکمت عملی میں جوش سے کہیں زیادہ ہوش اور تدبر کارفرما ہوتا تھا جس کی وجہ سے وہ ان معرکوں میں زیادہ تر کامیاب رہتے تھے۔

اس ضمن میں نیاز فتح پوری مدیر نگار لکھنؤ، رسالہ جامعہ دہلی، نذیر نیازی اور حافظ اسلم جیراجپوری، استاد جامعہ ملیہ، مرزا عظیم بیگ چغتائی، سجاد ظہیر اور رشید جہاں، شاہد احمد دہلوی، خواجہ حسن نظامی کے خلاف سچ کے احتسابی کارناموں کا مختصر ذکر ضروری ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے رسالہ جامعہ میں ناموس رسالت کے خلاف ایک مضمون کی اشاعت پر سچ کے زبردست احتجاج سے مجبور ہو کر رسالہ نے معذرت کی اور آئندہ اس قسم کے مضامین چھاپنے سے باز رہنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد ایک جرمن مصنف کی کتاب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'عربوں کا تمدن' کا اردو ترجمہ نذیر نیازی صاحب، استاد جامعہ نے کیا اور اس کی اشاعت مکتبہ جامعہ نے کی اور جامعہ میں اس پر مدحیہ ریویو کیا۔ اس کتاب میں اسلام اور رسول اکرمؐ پر ناروا حملے کئے گئے تھے اور فضول و بے مغز اعتراضات اسلامی تمدن اور ثقافت پر کئے گئے تھے۔ سچ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور اسے ملّت کے رہنماؤں اور معاصرین سے پوری مدد ملی۔ آخر کار شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی معذرت کے بعد یہ قضیہ نامرضیہ ختم ہوا۔ مدیر نگار نیاز فتح پوری نے مذہب، آخرت، ملائکہ یہاں تک خود ذات باری تعالیٰ پر نازیبا حملے کئے اور سوقیانہ عبارت میں مسلمانوں کے اعتقادات کا مذاق اڑایا۔ مولانا نے نیاز کی دریدہ ذہنی کا جواب باصواب دیا، ان کے مبلغ علم اور لچر دلائل کا پردہ فاش کیا اور ملّت کے مجرم کو ملت کے سامنے پیش کیا، جس کی وجہ سے پورے ملک کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، متعدد جگہ احتجاجی جلسے ہوئے، نیاز فتح پوری پر توہین مذہب اور دلآزاری کے مقدمے دائر کئے گئے۔ بالآخر نیاز فتح پوری نے توبہ نامہ داخل کیا۔ اس طرح فتنہ کی سرکوبی سچ کی کوششوں سے ہوئی۔ اسی طرح مزاحیہ نگار مصنف مرزا عظیم بیگ چغتائی نے اپنی کتابوں 'حدیث اور پردہ' اور تفویض میں کلام مجید اور حدیث پر اعتراضات کئے اور امّت کے فقہاء اور علماء کے خلاف بدزبانی کی۔ مولانا نے 'امر عظیم' عنوان سے ان کے بے بنیاد اور لغو الزامات کی تردید کی۔ آخر عوامی مخالفت سے مجبور ہو کر چغتائی صاحب نے معافی مانگی اور ان کتابوں کی اشاعت روک دی۔ ۱۹۳۳ء میں نام نہاد ترقی پسند مصنفین سجاد ظہیر اور رشید جہاں نے 'انگارے' نام کی ایک گندی کتاب شائع کی جس میں فحش الفاظ استعمال کئے گئے اور ذات باری تعالیٰ، فرشتوں اور مذہب کی شان میں گستاخی کی گئی تھی۔ سچ نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا جس کا سرفراز لکھنؤ اور شیعہ اکابرین نے پورا ساتھ دیا اور حکومت یوپی نے اس کتاب کو ضبط کر لیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک اور استاد حافظ اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں کچھ صحابہ کی سیرت پر ناروا حملے کئے اور احادیث

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبوی سے انکار کیا۔ سچ نے تاریخی اور منطقی دلائل سے ان کے غلط نقطہ نظر کا کافی و شافی جواب دے کر ان کو قائل کیا۔ اسی طرح شاہد احمد دہلوی ایڈیٹر ساقی دہلی نے اپنے دادا مولوی نذیر احمد مرحوم کی کتاب 'امہات الامۃ' کا نیا ایڈیشن شائع کیا جس میں غیر شعوری طور پر امہات المومنین کا اہانت آمیز طریقہ پر ذکر کیا گیا تھا۔ سچ کے احتساب پر شاہد احمد صاحب نے معذرت طلب کی۔

دہلی کے مشہور صوفی اور ادیب خواجہ حسن نظامی صاحب سے مولانا کے گہرے ذاتی تعلقات تھے لیکن ان کے رواجی تصوف اور محرم تعزیہ داری اور بدعات کی حمایت کرنے پر مولانا نے ان سے پورا اختلاف ظاہر کیا اور ان کے نقطہ نظر کی کجی کو سچ میں واضح کیا۔ پھر جب انہوں نے زعیم ملّت مولانا محمد علی جوہر پر ذاتی حملے، بدزبانی اور دلآزاری کے ساتھ کرنے شروع کئے تو سچ نے ان کو ٹوکا اور تہذیب و شرافت کا یہ بنیادی سبق یاد دلایا کہ اختلاف اصول اور نظریات سے کرنا چاہیئے نہ کہ شخصیت اور ذات سے۔

سچ کے یہ احتسابی کارنامے برصغیر کی مذہبی، علمی اور ادبی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ بحیثیت مجموعی ان تمام مسئلوں میں سچ اور مولانا مرحوم کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان تمام مباحث میں سچ نے معتدل اور شریفانہ انداز اختیار کیا اور مخالفوں پر ذاتی حملوں سے پرہیز کیا۔ اردو صحافت کے سامنے اس زریں رہبر اصول کو سچ نے عملی طور پر برت کر دکھایا۔

سچ عام طور پر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔ کاغذ اور طباعت معمولی درجہ کی ہوتی تھی مگر حسن انشا اور معنویت کی وجہ سے پرچہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ نو سال تک یہ پرچہ شائع ہوتا رہا۔ آخر ۱۹۳۳ء میں مولانا نے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کا عظیم کام شروع کیا جس کی وجہ سے ان کو یہ اخبار بند کرنا پڑا۔

افسوس ہے کہ سچ کی جلدیں اب نایاب ہو چکی ہیں۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونیورسٹی علی گڑھ خدا بخش لائبریری پٹنہ اور راقم مرتب کے پاس اس کی مکمل جلدیں محفوظ ہیں۔ نہرو میموریل تین مورتی ہاؤس نئی دہلی میں اس کی تمام جلدوں کی مائکرو فلم موجود ہے۔ شاید کچھ مخلص و معتقد شائقین علم و ادب اور بعض لائبریریوں میں بھی اس کی فائلیں موجود ہوں۔ خدا بخش لائبریری اورینٹل پبلک لائبریری قابل مبارکباد ہے کہ اس نے علم و ادب کے اس خزینہ کو محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی اور ہفتہ وار سچ کے توضیحاتی اشاریہ کے مرتب کرنے کا کام اس نا اہل کے سپرد کیا۔ چنانچہ یہ اشاریہ لائبریری کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

سچ میں انشاء ماجدی کی دلآویزی کے ساتھ صحیح مذہب، وطن دوستی اور علم و اخلاق کی مستند قدریں ملتی ہیں اس پرچہ نے اردو صحافت میں حق گوئی، علم دوستی اور حقیقی تنقید کی نظیر قائم کی۔ سلیس و عام فہم عبارت، بلیغ و برجستہ سرخیوں اور مصرعوں کے استعمال سے اس کا علمی و اونچا رتبہ بہت بلند ہو گیا تھا۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ولایتی اخبارات و رسائل اور مذہبی و علمی کتابوں سے اخذ کردہ صحیح معلومات پڑھنے والوں کو فراہم کی جاتی تھیں اور ذاتیات و شخصیات سے الگ رہ کر انصاف و توازن سے مباحثوں اور مجادلات میں حصہ لیا جاتا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ہر شخص کے ذہنی و فکری حالات میں برابر تبدیلیاں مختلف وجوہ سے سامنے آتی ہیں مثلاً سن کی پختگی، عصری حالات، مذہب، تعلیم، اخلاق اور پسند و ناپسند کے معیار میں تغیرات، یہی حال مولانا کی صحافت کا رہا۔ جب انہوں نے سچ نکالا تو وہ پختہ مسلمان ہو چکے تھے اور مغربی علوم کے ساتھ اسلامی علوم کا بھی گہرائی سے مطالعہ کر چکے تھے اسی لئے انہوں نے مغربی تہذیب و تمدن (جسے وہ یاجوجی تمدن کے نام سے یاد کرتے تھے) بدعات و معاشرتی مفاسد کے خلاف قلبی جہاد زور و شور سے شروع کیا جس میں بعض دفعہ غلو، لہجہ کی خشونت اور مخالفین کے ساتھ غیر ہمدردانہ بلکہ درشتی کی جھلک آجاتی تھی۔ اسی طرح طرز بیان اور اسلوب میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شگفتگی، سلاست اور طنز و مزاح کے اس درجے کے نمونے سچ میں نہ تھے صدق اور پھر اس سے بڑھ کر صدق جدید میں دیکھنے میں آئے۔ اسی طرح سیاسی و ملی مسائل میں بھی مولانا کے انداز فکر میں بعد میں زیادہ توازن و اعتدال اور جوش و خروش کے مقابلہ میں ہوش کی فراوانی نظر آنے لگی۔ لیکن ان چیزوں سے سچ کے صحافتی مرتبہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سچ کی جلدوں میں حکمت و معرفت اور حسن انشاء کے نمونے، سچی باتوں، شذرات اور مقالات میں بکھرے پڑے ہیں۔ اگر ان کی کتابی صورت میں اشاعت ہو جائے تو اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہو جائے گا۔ سچی باتوں کا ایک انتخاب صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور امید ہے کہ اس کے جواں ہمت مہتمم حافظ نعیم الرحمٰن صدیقی جلد ہی اس کی مزید جلدوں کو شائع کریں گے۔

مولانا کو انتظامی امور سے کوئی دلچسپی نہ تھی چنانچہ سچ کے انتظامی امور کے ذمہ دار مولوی ظفر الملک صاحب تھے۔ کلام مجید کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کے کام کی بے پناہ مشغولیت کی وجہ سے مولانا نے سچ کے التواء کا اعلان کیا۔ ایڈیٹری کا کام تمام تر اعزازی تھا اور آمدنی ساری کی ساری ظفر الملک کے پاس جاتی تھی۔ ایک سال کے بعد جب دوبارہ سچ نکالنے پر آمادہ ہوئے تو اب ظفر الملک صاحب نامعلوم وجوہ کی بنا پر تعاون کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ انہوں نے پرچہ کی ملکیت یہاں تک کہ نام تک پر اپنا دعویٰ اور استحقاق پیش کیا۔ عزیزوں اور دوستوں کی مصالحت کرانے کی کوششیں ناکام رہیں تو پھر اس معاملہ کو مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کے سامنے ثالثی کے لئے پیش کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مولانا سچ کے بجائے ایک نیا ہفتہ وار صدق کے نام سے نکالیں۔

چنانچہ مئی ۱۹۳۵ء میں صدق کا پہلا پرچہ عبدالرؤف عباسی صاحب مدیر روزنامہ 'حق' کے انتظام و اہتمام میں نکلا۔ ان کا اپنا پریس تھا اور مولانا کی لکھنوی قیام گاہ خاتون منزل کے سامنے واقع تھا چنانچہ انہوں نے نفع کا دس فیصدی مولانا کو دینا منظور کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہفتہ وار صدق مئی ۱۹۳۵ء تا ستمبر ۱۹۵۰ء

صدق کو بھی سچ کی طرح مولانا دریاباد سے مرتب کر کے لکھنؤ بھیجتے تھے۔ اب اس کی پیشانی پر آیہ قرآنی الّذی جاء بالصدق و صدّق به اولٰئک هم المتقون. (اور وہ جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیز گار ہیں) پابندی سے شائع ہوتی تھی۔ اپنی صحافتی زندگی میں مولانا ہمیشہ اسی آیت پر عمل پیرا رہے۔

صدق کا سائز اور مشمولات تقریباً وہی تھے جو سچ کے تھے۔ اضافہ ترجمہ و تفسیر قرآن کے کالم کا ہوا اور پھر کئی سال کے بعد ''مشورے اور گذارشیں'' کے نام سے بھی ایک کالم شروع کیا گیا جس میں مختلف قسم کے سوالات کے جوابات اور مسائل کے ممکنہ حل پیش کئے جاتے تھے۔ مولانا کو اس کالم سے بڑی دلچسپی تھی اور بحیثیت ایک پرانے مریض کے ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ مستفسرین کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ سچی باتوں میں حکمت و موعظت کے سبق و واقعات و حادثات عالم کی روشنی میں دیئے جاتے تھے اور ملک کے سیاسی معاشرتی یا ادبی مسائل پر رائے زنی کی جاتی تھی۔ سچی باتیں اردو پریس میں بڑی مقبولیت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں اور ان کو کثرت سے اردو اخبارات و رسائل میں نقل کیا جاتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد وہاں کے اخباروں میں صدق کے اقتباسات بکثرت شائع ہوتے تھے چنانچہ ایک دفعہ لکھنؤ سے نکلنے والے ایک جن سنگھی فرقہ وار اخبار نے یہ الزام لگایا کہ مولانا ہندوستان مخالف اداریئے اور شذرے ہندوستان میں بیٹھ کر پاکستانی اخبارات کے لئے لکھتے ہیں۔ اس کو اس وقت کے یوپی کے وزیر اعلیٰ بابو سمپورنانند نے بڑی سختی سے مسترد کیا اور ایڈیٹر کو سرزنش کی۔ صدق میں ادبی، علمی، مذہبی، معاشرتی موضوعات پر مقالات، مراسلات اور خود مولانا کے لکھے ہوئے شذرات نکلتے تھے جس نے قارئین کو فائدہ پہنچتا تھا خاص کر جدید تعلیم یافتہ حضرات کو۔ مستشرقین کے علمی کارناموں کی توضیح و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنقید جدید سائنسی، طبی اور علمی تحقیقات و انکشافات، ادب صالح اور اسلامی و مذہبی اقدار کے تحفظ و فروغ کے لئے صدق کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ جیسے نامور عالموں کے مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔ مولانا مودودی نے عمومی مسائل مثلاً پردہ، سود، نظام حکومت وغیرہ پر جو کتابیں لکھیں جو جدید ذہن کے شکوک و شبہات کو رفع کرنے میں مفید تھیں ان کا اعتراف صدق میں برابر ہوتا رہا اور مولانا نے ان کو متکلم اسلام کا خطاب دیا اور ان کے مطالعہ کی سفارش کی، اسی طرح جب انہوں نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کی طرف توجہ کی تو ان کی کوششوں کی داد دی۔ چنانچہ رسالہ ترجمان القرآن اور جماعت اسلامی کی ابتدائی کوششوں کی داد دی اور حکومت الٰہیہ کے بنیادی تصور کی حمایت مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور دیگر نامور علماء کے ساتھ مل کر کی۔ مگر جب مولانا مودودی نے اس کو تحریک کی شکل دی اور پیدائشی و نسلی مسلمانوں کو طنز و تعریض کا نشانہ بنایا اور امیر جماعت کو رسولؐ کی طرح معصوم اور کسی قسم کی جرح و اعتراض سے بالاتر رکھنے کی کوشش کی تو انہوں نے ان کے انداز فکر کی کجی کو واضح کیا اور ان کے غالیانہ مسلک سے اپنی بریت ظاہر کی۔ چنانچہ صدق میں اپنے کئی مضامین کے ذریعہ مولانا نے خدشات ظاہر کئے کہ جماعت اسلامی اور اس کے امیر خارجیت کے مسلک پر چل رہے ہیں جو اسلام اور شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔ صدق کی اس حق بیانی سے جماعت اسلامی کے پرجوش کارکن اور مولانا مودودی کے غالی معتقد بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے مولانا پر ذاتی حملے اور اعتراضات شروع کئے جن کا سلسلہ ان کی وفات تک چلتا رہا۔ مولانا جماعت اسلامی کی فعالیت اور تنظیمی کوششوں کا ذکر تعریف سے صدق کے صفحات پر کیا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی پاکستان میں اس کے سیاسی موقف اور جوش و غلو کے مظاہروں کی مخالفت بھی کرتے تھے خاص کر مولانا مودودی نے جو رویہ ایوب خاں اور فاطمہ جناح کے مابین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدارتی الیکشن کے بارے میں اختیار کیا تھا۔

تقسیم ملک سے قبل ملک میں جو سیاسی فضا پیدا ہوگئی تھی اس میں صدق سیاسیات سے الگ رہا۔ مولانا کا رجحان تحریک طاقت کی وجہ سے کانگریس کی طرف تھا مگر مولانا محمد علی کے انتقال کے بعد وہ سیاسیات سے بالکل الگ ہوگئے، ہندو مسلم فسادات اور اس کے منفی و مضر اثرات سے وہ بہت مضطرب اور افسردہ ہوئے اور برابر اتحاد و آشتی کی تلقین کرتے رہے۔

سچ کی طرح صدق کو بھی کئی معرکوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جماعت اسلامی سے اختلاف کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ نیاز فتح پوری مدیر نگار کی توبہ شکنی اور بدعہدی، علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک دوقومی نظریہ، مسلمانوں کے ملّی تشخص، مختلف ملکی و معاشی مسائل پر حیات اللہ انصاری مدیر قومی آواز لکھنؤ، اردو دشمنی اور ترقی پسندیت کے پردہ میں فحاشی اور ابتذال کے خلاف صدق نے پامردی اور کامیابی سے محاذ کھولے اور رائے عامہ کو اپنے حق میں کیا۔

مدیر نگار نیاز فتح پوری اپنی آزاد مشربی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسلام دشمنی اور الحاد پروری کے لئے مشہور تھے اور سچ نے ان کا کڑا محاسبہ کیا تھا جس کے نتیجے میں انہوں نے معافی طلب کی اور بار بار یہ عہد نگار کے صفحات پر دہرایا کہ اب وہ مذہبی موضوعات خصوصاً اسلام کے متعلق اپنے رسالے میں کچھ نہ لکھیں گے مگر وہ برابر اپنے عہد کی خلاف ورزی کرتے رہے اور ۱۹۴۰ء میں ایک عیسائی مشنری ٹسڈل نے قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے کے خلاف بیہودہ اور لغو مضامین شائع کئے۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ اسلام اور قرآن کے سمجھنے کا حق مجھے بھی اسی طرح حاصل ہے جیسے سید سلیمان ندوی اور عبدالماجد دریابادی کو۔ صدق نے اس خرافات کا پورا نوٹس لیا اور نگار کی دریدہ ذہنی اور اسلام دشمنی روش کے خلاف مہم چلائی چنانچہ رسالہ کا بائیکاٹ کیا گیا اور مسلمانان ہند نے کھل کر اس کی مذمت کی اور نیاز فتح پوری کو پھر معافی مانگنے اور اپنے اعتقادات فاسدہ سے معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ اسی طرح عنایت اللہ خاں مشرقی کی خاکسار تحریک اور اس کی گمراہی کے خلاف صدق نے کامیاب جد و جہد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ آزادی ملنے اور تقسیم ملک کے بعد ذوقومی نظریہ مسلمانوں کے ملّی تشخص، ان کے جائز آئینی حقوق اور مختلف معاشی و معاشرتی ملکی مسائل پر حکومت کی پالیسیوں اور احکامات کے سلسلہ میں صدق اور نقیب کانگریس قومی آواز سے بحث و مباحثے ہوتے رہے۔ حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز جن کا تعلق لکھنؤ کے علمی خانوادہ فرنگی محل سے تھا اور گاندھی بھگت ہونے کے بھی مدعی تھے مولانا اور صدق پر برابر یہ الزام لگاتے رہے کہ وہ دوقومی نظریہ اور مسلم لیگ کے حامی ہیں اور آزادی کے بعد انہوں نے کپڑے بدل لئے پھر بھی ہندوستان کی سیکولرازم اور جمہوریت پسندی کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لمبے لمبے اداریئے قومی آواز میں لکھتے رہے اور بار بار مولانا عبدالماجد دریابادی کا نام لے لے کر ان پر حملے کرتے رہے۔ مولانا اس کے جواب میں مختصر شذرے لکھتے اور کبھی کبھی صدق میں مضمون کے ذریعہ اپنے موقف کو منطقی اور اصولی حیثیت سے واضح کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندوستان میں سیکولرازم کو بطور ایک سیاسی حکمت عملی Strategy مسلمانان ہند نے قبول کیا ہے اور وہ یہاں کے دستور و آئین کی مشروط اطاعت و وفاداری اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک اس کا تصادم کتاب و سنت اور شریعت اسلامی سے نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ان کا موقف وہی تھا جو مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے خطبہ صدارت اجلاس کانگریس رام گڑھ میں بڑی جرأت و صفائی سے پیش کیا تھا یعنی مجھے اپنے مسلمان ہونے پر اور اسلامی ورثہ پر فخر ہے۔ میرے مذہب کی روح مجھے وطن دوستی اور اس کی محبت سے نہیں روکتی۔ مگر انصاری صاحب اس کے برعکس سیکولرازم پر پختہ عقیدہ رکھتے تھے اور مذہب کو محض ایک ذاتی اور شخصی چیز سمجھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ مولانا اور ہندوستانی مسلمان تصور پاکستان کی کھل کر مذمت کریں اور مسلم لیگ کو تقسیم ہند اور زبردست کشت و خون اور تباہی کا ذمہ دار قرار دے کر برا بھلا کہیں۔ صدق نے اس ذہنیت کی جم کر مخالفت کی اور تائید میں مولانا آزاد، جواہر لال نہرو اور سب سے بڑھ کر خود گاندھی جی کو پیش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔اسی طرح معاشی وعصری مسائل خصوصاً گرانی، افراط زر اور قوت خرید کے بارے میں انصاری صاحب کتابی ونظری دلیلیں اور خوشنما اصطلاحیں پیش کر کے حقیقت کو دبانا چاہتے تھے۔ بہر حال یہ پُر لطف نوک جھونک وقتاً فوقتاً ان دونوں اخبارات میں اس وقت تک چلتی رہی جب تک حیات اللہ انصاری صاحب کی مدت ادارت قائم رہی۔ ان کے قومی آواز سے ہٹنے پر مولانا نے صدق جدید میں اظہار افسوس کیا اور 'لذت غم نہ رہی تیرے اٹھ جانے کے بعد' کی برجستہ ومناسب سرخی اپنے شذرہ پر لگائی۔ ان اختلافات کے باوجود دونوں حضرات ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور ان میں شگفتہ تعلقات تھے۔ خاص کر مولانا بڑے اہتمام سے ان اختلافات کا اثر ذاتی تعلقات پر نہیں پڑنے دیتے تھے۔ صدق اور قومی آواز کے نظریاتی اختلافات اور مباحثات کی روداد اگر مرتب کی جائے تو وہ بڑی دلچسپ اور اردو ادب میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔

تبصرے کے لئے صدق میں بہت سی اردو ادبی اور مذہبی کتابیں موصول ہوتی تھیں جن پر مہینہ میں دو بار مولانا ''نئی کتابوں'' کے عنوان سے مختصر تبصرے کرتے تھے۔ اسی زمانے میں مولانا کو ریڈیو اسٹیشن سے تقریریں (talks) نشر کرنے کے لئے مدعو کیا جانے لگا جن میں سے اکثر تقریریں صدق میں شائع ہوتی تھیں۔ اسی طرح مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ندوۃ العلماء، دارالمصنفین، انجمن ترقی اردو، ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد وغیرہ کے بارے میں بھی اطلاعات اور کمیٹیوں کا حال صدق میں شائع ہوتا تھا۔ مقالات، مراسلات کے علاوہ منقولات کے زیر عنوان دوسرے اردو اخباروں اور رسالوں سے صدق کے معیار و مذاق کے مضامین نقل ہوتے تھے۔ صدق میں اشتہار بجز سفر حج و دینی کتابوں کے اور کسی چیز پر نہیں نکلتے تھے۔

المیہ تقسیم کے فوراً بعد ریاست حیدرآباد کے خلاف پولس ایکشن سے ہندوستانی مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ ریاست حیدرآباد نیم خود مختار مملکت انڈین یونین میں تھی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے فرمانروا نظام حیدر آباد کو برطانوی حکومت نے بہت سے اعزازات و مراعات دے رکھی تھیں۔ رضا کار تحریک اور اس کے ناعاقبت اندیش سربراہ قاسم رضوی نے حکومت ہند سے ہونے والے ایک بڑے اچھے معاہدہ کو مسترد کر کے حیدر آباد کی آزادی کا نعرہ بلند کیا جس کے نتیجے میں حکومت ہند نے فوج بھیج کر پولیس ایکشن کیا۔ رضا کار کچھ بھی مزاحمت نہ کر سکے اور نظام کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کا انضمام آندھرا پردیش میں ہو گیا۔ نظام کی طرف سے متعدد ملّی اور قومی اداروں، انجمنوں اور لائق افراد کو امداد اور علمی وظیفے دیئے جاتے تھے جو سب بند کر دیئے گئے اور مسلم یونیورسٹی، ندوۃ العلماء، بنارس ہندو یونیورسٹی اور متعدد اداروں کی مالی مدد روک دی گئی۔ مولانا کو بھی جو علمی پنشن نظام حکومت سے ملتی تھی وہ بھی تقریباً ڈیڑھ سال بند رہی۔ پھر وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کی ذاتی مداخلت پر اس کا اجراء ہوا۔ صدق ریاست میں بہت مقبول تھا اور وہاں بڑی تعداد میں اس کے خریدار تھے جن کو سقوط حکومت سے سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ حیدر آباد مسلم ثقافت اور مشرقی اقدار کا ایک بڑا مرکز تھا جس کے خاتمے سے ہندوستانی مسلمانوں کو علمی اور ذہنی سطح پر سخت دھچکا لگا اور ان میں مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔ وہاں کی آبادی میں اکثریت ہندوؤں کی تھی مگر وہاں ہندو مسلم فساد بہت کم ہوئے اور ہندو مسلمان آپس میں شیر و شکر ہو کر اتفاق اور اتحاد سے زندگی بسر کرتے تھے۔

ترقی پسند ادب کی بے راہ روی، فحاشی اور غیر اخلاقی رجحانات کے خلاف صدق زبردست احتجاج کرتا رہا۔ اس بارے میں مولانا کا رویہ حقیقت پسندانہ اور معتدل تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ارتقا قانون فطرت کا لازمی جزو ہے اور اس کا مشاہدہ دنیا کی ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے۔ البتہ ترقی معاشرہ انسانی کے جائز حدود و مطالبات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ادب صالح کو وہ عالم انسانیت کے لئے نہایت ضروری خیال کرتے تھے اسی لئے اس کو پھیلانے اور پکانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ زبان و لغت کے مسائل سے انہیں بڑی دلچسپی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی چنانچہ صدق میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کی مرتب کردہ اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری، مستشرقین کے علمی کارناموں اور انسائیکلو پیڈیا وغیرہ جیسی مفید چیزوں کا تعارف ہوتا رہتا تھا۔ مولانا کا شمار ان عالموں اور دانشوروں کے طبقہ میں تھا جو اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہیں اور جو وقت کی ضرورتوں کے پیش نظر اپنے کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ تقلید جامد اور اندھی قدامت پسندی کے سخت خلاف تھے جو کسی بھی جدت یا تبدیلی کو قبول کرنا گناہ عظیم سمجھتی تھی اور تنگ نظری اور تعصب کو وسعت نظر اور رواداری پر ترجیح دیتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے سینما اور ریڈیو کے مضر و منفی اثرات کے باوجود اس کے ذریعہ اصلاح اور سدھار کی کوشش کی۔ ان کا ایمان داری سے خیال تھا کہ ان ذرائع ابلاغ ونشر واشاعت کے ذریعہ بھی دین اور اخلاق کی خدمت کی جاسکتی ہے اور فسق و فجور کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھی نیکی اور حسن عمل کا پرچار کیا جاسکتا ہے۔ ان کو اپنے ہم عصر قدیم طرز کے ان مولویوں کے جمود اور ناعاقبت اندیشی پر ترس بھی آتا تھا اور رنج و تاسف بھی کہ وہ دانش حاضر کے نت نئے حربوں اور ہتھکنڈوں سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی مقصد کے پیش نظر وہ ولایتی رسالوں، کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور کبھی کبھی سینما بھی دیکھ لیا کرتے تھے گو اس کے فسق ہونے میں انہیں کوئی شبہہ نہ ہوتا تھا۔ البتہ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس دور فتن میں ضروری ہے کہ شیطان شناسی میں کمی نہ کی جائے اور علاج بالمثل کے طور پر ہلکے فسق کی مدد سے بڑی معصیتوں سے دوسروں کو محفوظ رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کو راسخ العقیدہ علماء کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور کچھ حضرات اور اخبارات نے اس واقعہ کی آڑ لے کر ان پر ذاتی حملے بھی کئے جن کا جواب وہ اپنے خاص انداز اور لطیف پیرایہ میں صدق میں دیتے رہے۔

صدق کی پالیسی یہ تھی کہ ملکی حکومت کی ان پالیسیوں اور اقدام پر تنقید کی جائے جس کی زد شعائر اسلامی، مسلمانوں، اردو اور مشرقی اقدار پر پڑتی تھی۔ اسی طرح گرانی، رشوت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ستانی۔ خیانت اور دیگر جرائم کی کثرت، اسراف، بدنظمی اور معاشرہ میں پھیلے ہوئے فساد کے خلاف حکومت کی بے عملی یا غفلت کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ البتہ اگر کسی دوسرے ملک میں شعائر اسلامی کی خلاف ورزی ہو رہی ہو یا مذہب و اخلاق کو نشانہ بنایا جاتا ہو تو اس کا نوٹس لیا جاتا اور اس کے خلاف احتجاج کیا جاتا چنانچہ پاکستان میں شراب نوشی کی کثرت، اسلام سے بغاوت، تعدد ازدواج اور طلاق وغیرہ پر پابندی کے خلاف صدق برابر عنان حکومت اور رائے عامہ کو ٹوکتا رہا مگر سیاسی معاملات پر کبھی رائے زنی نہیں کی۔ اسی طرح ہندوستان پاکستان کے درمیان آمد و رفت اور ڈاک پر پابندیوں، مالی بندشوں اور نفرت اور دشمنی کے جذبات کے خلاف صدق اور صدق جدید ہمیشہ صف آرا رہا۔

صدق کی مالی حالت شروع سے کمزور تھی، خاتمہ زمینداری، تقسیم ملک اور پھر سقوط حیدرآباد کی وجہ سے خریداروں کی تعداد میں معتد بہ کمی ہوگئی۔ پاکستان سے روپیہ بھیجنے کی بندش سے دقتیں اور بڑھ گئیں۔ کاغذ، طباعت معمولی ہونے کے ساتھ ساتھ پریس کی خرابی سے پرچہ دیر میں شائع ہوتا تھا اور کبھی ناغہ کی بھی نوبت آجاتی تھی۔ متعدد مخلص قدردان مالی مدد کرتے تھے، خریداروں میں اضافہ کی مہم بھی چلائی گئی، مگر مہتمم صاحب بار بار مولانا سے اصرار کرتے تھے کہ وہ پرچہ کی مالی مدد کے لئے اپنے قلم سے اپیل جاری کریں یہ چیز مولانا کو سخت گراں گزرتی تھی۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں حالات بہت خراب ہوگئے اور بقول مولانا کی کڑی کمان آخر ٹوٹ کر رہی اور پرچہ بند ہوگیا۔ اس دفعہ یہ خیال ہوا کہ پرچہ کو براہ راست اپنے انتظام میں شائع کیا جائے چنانچہ یہ طے پایا کہ مولانا کے بڑے بھتیجے اور داماد حکیم عبدالقوی صاحب جو اس وقت نائب مدیر تھے کے سپرد انتظام رکھا جائے اور ان کی مدد کے لئے گھر ہی کے ایک پروردہ مخلص اور متدین کارکن محمد معین مل گئے جو پریس اور دوڑ دھوپ کے کام کے لئے بڑے مفید ثابت ہوئے۔ مگر سچ ہی کی طرح اس دفعہ بھی پرچہ کے مہتمم عبدالرؤف عباسی صاحب نے قانونی بنا پر صدق کے نام اور حیثیت (Good Will)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اپنی ملکیت بتایا اور جو رویہ ظفر الملک صاحب نے سچ بند ہونے پر اختیار کیا تھا اسی کو اپنایا۔ یہاں تک کہ خریداروں کا رجسٹر تک جس میں نام، پتے اور مالی حساب درج تھا دینے سے انکار کیا۔

صدق جدید دسمبر ۱۹۵۰ء تا اپریل ۱۹۸۵ء

مجبوراً صدق جدید کے نام سے ایک نیا ہفتہ وار نکلنا شروع ہوا جس کو حسب معمول مولانا دریاباد سے مرتب کر کے لکھنؤ بھیجتے تھے اور حکیم عبدالقوی صاحب جو اس کے نائب مدیر و مہتمم تھے اس کو لکھنؤ سے شائع کرتے تھے۔ یہ صورت مولانا کے انتقال جنوری ۱۹۷۷ء تک قائم رہی۔ اس کے بعد وہ خود اپریل ۱۹۸۵ء تک نکالتے رہے جس میں مولانا کے قلم سے نکلی ہوئی پرانی سچی باتیں مضامین وغیرہ کے علاوہ ان کے شذرات اور صاحب علم حضرات کے مقالات شائع ہوتے تھے۔

آزاد ہندوستان کے اردو پریس میں ہفتہ وار صدق جدید نے بڑی ناموری اور مقبولیت حاصل کی۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں مولانا کی انشاء پردازی درجہ کمال پر پہنچ چکی تھی۔ زبان و روزمرہ پر قابل رشک عبور حاصل تھا۔ طنز، شگفتہ نگاری، اشعار مصرعوں اور رعایت لفظی کا برمحل سلیقہ سے استعمال کیا جاتا تھا۔ صدق جدید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے مظلوم مسلم اقلیت اردو زبان اور مٹتی ہوئی مشرقی اقدار کو زبان دی اور پامردی سے ظلم و ناانصافی اور زیادتیوں کے خلاف ایک بااصول صحافی، سچے قوم پرور ہندوستانی اور پلے مسلمان کی طرح احتجاج کرتے رہے۔ ہندی مسلمانوں کی وفاداری، دوقومی نظریہ، اردو کے جائز مقام، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شناخت، ادب صالح کی افادیت، ہندو مسلم، ہند پاک اتحاد، مسلمانوں میں مسلکی رواداری، مشرقی اخلاق اور اقدار کے تحفظ کے لئے آزاد ہندوستان میں صدق جدید نے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا اعتراف اس کے بڑے سے بڑے مخالفین نے کیا۔ چنانچہ جب ہندوستانی مسلمانوں اور اردو کے خلاف متعصب اہل قلم، اخبارات اور اداروں نے مہم چلائی اور ان پر علیحدگی پسندی اور ملک دشمنی کے جھوٹے الزامات لگائے جانے لگے تو مولانا نے تاریخ ادب، روز مرہ کی زندگی، رسم ورواج اور بول چال سے ڈھونڈ کر اس کے خلاف سچی مثالیں اور ناقابل تردید دلائل پیش کئے جن میں ثابت کیا گیا کہ اردو اور مسلم تمدن میں سنسکرت و ہندی کے الفاظ، جوتش و نجوم کی غیر اسلامی اصطلاحیں، ہندو عقائد، رسوم اور شعائر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پھر اس پر حقیقت افروز تبصرہ کیا۔ ہند کا مسلم تمدن اور مسلم ادب کس حد تک ہندو عقائد، ہندو رسوم، ہندو شعائر سے متاثر ہو چکا ہے۔ یہ سب اگر اس کا کھلا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ہونا تھا یا نہیں، یا اسلامی نقطہ نظر سے جائز کہاں تک تھا۔ یہ سارے سوالات الگ ہیں یہاں ذکر نفس واقعہ کا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے 'اردو میں ہندی' کے نام سے کئی سچی باتیں لکھیں۔ یا ایک مضمون 'ہم متعصب ہیں' کے نام سے لکھا جس میں مسلمانوں میں چھوت چھات، ذات پات کے قیود نہ ہونے، ہر قسم کے علم کی تحصیل اور جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لینے کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا تھا اور جا بجا گاندھی جی، جواہر لال نہرو، بھگوان داس اور دیگر منصف مزاج غیر مسلموں کی شہادتیں بھی نقل کی تھیں۔ وہ صدق جدید کے ذریعہ بار بار حکومت وقت اور ہندو اکثریت کی توجہ صحیح سیکولرازم، رام راج اور ہندو مذہب کی سچی تعلیمات اور تنقیحات کی طرف دلاتے رہتے تھے۔ تاکہ وہ انصاف اور سچائی کے راستہ سے نہ ہٹیں۔

اتر پردیش کی حکومت نے عرصہ دراز کے بعد اردو والوں کی اشک شوئی کی طرف توجہ کی اور ریاست میں اردو اکیڈمی قائم کی۔ اس کا خیر مقدم مولانا نے صدق جدید میں کیا اور افتتاحی جلسہ میں شامل ہوئے اور اس کی ممبری بھی قبول کی۔ ان کی تحریک پر اردو کے حقوق کے لئے برابر آواز اٹھاتے رہے اور اس کا ذکر بار بار صدق جدید میں آتا رہا۔ اسی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے خلاف ایک ایکٹ پاس کیا اور سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ مسلم یونیورسٹی کو مسلمانوں نے نہیں حکومت ہند نے قائم کیا ہے تو صدق جدید میں برابر اس زیادتی کے خلاف احتجاج کیا جاتا رہا۔ جب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ہندوستان کے پہلے صدر منتخب ہوئے تو مولانا نے 'مسلمان صدر جمہوریہ' کے عنوان سے ایک حقیقت پسندانہ مگر تاسف انگیز نوٹ صدق میں لکھا اور مسلم اقلیت کو کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا رہنے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد بھی ان کے بعض پبلک اقدام پر صدق جدید نے احتساب کر کے اظہار افسوس کیا۔ غرض مسلم صحافت میں صدق جدید نے اپنی زندگی میں بڑے کارنامے انجام دیئے اور ملت میں پھیلی ہوئی بددلی اور پست ہمتی کو دور کرنے کی کوشش کی۔

صدق جدید میں مولانا کے شگفتہ اور منفرد اسلوب کے علاوہ ایک بڑی خصوصیت اس کی برجستہ اور دلچسپ سرخیاں ہوتی تھیں۔ مولانا اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے، مثلاً ایک دفعہ شاہد احمد دہلوی کے رسالہ ساقی کراچی میں ایک قابل اعتراض مضمون شائع ہوا۔ اس کے خلاف صدق جدید میں شذرہ 'ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی' کی دلچسپ سرخی کے ساتھ نکلا۔ اسی طرح جوش ملیح آبادی کی ہندوستان سے پاکستان منتقلی پر اپنے ایک مخلص کو مخاطب کر کے لکھا ''اب کی جوش پر کوئی نوٹ نکلے تو بہترین عنوان پاکستان کی زبان سے یہ مصرعہ ہوسکتا ہے

توبروں در چہ کردی کہ دروں خانہ آئی''

اور اسی طرح کی چند اور دلچسپ سرخیاں پیش ہیں: ''کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیئے''، ''سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں''، ''ذکر حسین ذاکر حسین کی زبان سے''، 'ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا کا درجہ بحیثیت صحافی کے

مولانا کے معاصرین میں مولانا ابوالکلام آزاد (الہلال)، مولانا محمد علی جوہر (ہمدرد)، مولانا ظفر علی خاں (زمیندار)، سید جالب دہلوی (ہمدم و ہمت) جیسے نامور اور جید صحافی شامل تھے۔ لیکن مولانا نے اپنے منفرد اسلوب اور کمال انشا پردازی کی بنا پر اپنے لئے ایک الگ اور ممتاز درجہ اردو صحافت میں حاصل کیا بلکہ اس لحاظ سے ان کو ان سب پر فوقیت حاصل ہوئی کہ انہوں نے صحافت کے چند زریں رہبر اصول وضع کئے جن کو کامیابی سے اپنی ۵۲ سالہ صحافتی زندگی میں بہت کچھ کر دکھایا۔ ان کی وجہ سے اردو صحافت کو اعتبار و استناد حاصل ہوا اور بڑا نفع پہنچا۔

یہ اصول یا صحافت کے مقاصد کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ صحافت کا مقصد خدمت دین و ملت ہونا چاہیئے، عام خدمت خلق بھی اسی ضمن میں آجاتی ہے۔

۲۔ صحافت کسی قسم کی تجارت کا نام نہیں بلکہ اسے ایک قسم کی عبادت سمجھنا چاہیئے۔

۳۔ وطن کا بھی بڑا حق ہے۔ اس سے وفاداری اور اس کے قانون کی اطاعت ضروری ہے مگر مشروط طور پر۔ غیر مشروط وفاداری اور اطاعت کامل خالق حقیقی اور ذات حق سے ہونا چاہیئے۔

۴۔ پبلک کے جذبات کی نمائندگی اور ترجمانی ضرور کرنی چاہیئے مگر اسی کے ساتھ اس کے مذاق کی اصلاح اور جذبات کو قابو میں رکھنے کی تعلیم دینا بھی ضروری ہے۔

۵۔ خبریں اور ان کی سرخیاں سچائی پر مبنی کسی مقصد کے ساتھ متوازن اور مؤثر انداز میں شائع کرنا چاہیئے۔ جوش و ہیجان یا اخباری زبان میں سنسنی پھیلانے والی خبروں سے بچنا چاہیئے۔

۶۔ پبلک تنقید آزادی اور بے باکی سے کیجئے خواہ وہ حکومت پر ہو یا کسی ارادہ پر یا کسی فرد پر۔ مگر یہ اصولی ہونا چاہیئے۔ کسی قسم کے ذاتی یا حملے، طنز اور جھوٹے الزامات نہ ہونا چاہیئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیشہ نظر ما قال پر ہونا چاہیئے نہ کہ من قال پر۔

۷۔ کسی قسم کی دل آزادی، دل شکنی اور غلط بیانی سے کام نہ لیا جانا چاہئے۔

۸۔ دوسروں کا احتساب پبلک معاملہ میں ضرور کیجئے لیکن اپنا محاسبہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔ یاد رکھئے اور اس وقت سے ڈرتے رہئے جب احکم الحاکمین کے سامنے ایک ایک لفظ بلکہ حرف پر سوال ہو رہا ہوگا اور آپ کو جواب دہی کرنا پڑے گی۔

۹۔ صحت زبان، لغت محاورہ اور روز مرہ کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ ادب شریف یا صالح لٹریچر کو پھیلانا چاہیئے اور ہر قسم کی فحاشی، بداخلاقی سے اپنا دامن پاک صاف رکھئے۔

۱۰۔ مروت و رواداری کو پنائیے مگر اس کے ڈانڈے، خوشامد اور زمانہ سازی سے کبھی نہ ملنے دیجئے۔ قانون وقت کا احترام کیجئے۔ ہوش کو جوش پر مقدم رکھئے اور اعتدال و میانہ روی کی تعلیم عام کیجئے۔

ظاہر ہے ان رہبر اصولوں کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اردو صحافت کو اس لحاظ سے خوش قسمت سمجھنا چاہیئے کہ اس کے سامنے ان اصولوں پر ایک باکمال صحافی اور نامور انشا پرداز نے کامیابی سے عمل کر کے دکھایا اور ادب میں صحتمند روایت قائم کی۔

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ باون برس کی طویل صحافتی زندگی مولانا کا طرّہ امتیاز تھی۔ اس کے ذریعہ حسن انشاء فکری و فرزانگی حکمت و دانش، سوز و سرور، جذب و جنوں کتنی ہی نئی حکایتیں رقم کی جا سکتی ہیں اور علم و ادب کی بہترین خدمات انجام دی جا سکتی ہیں۔

کتابوں کی اشاعت

مولانا کی زندگی میں ان کی کتابیں دار المصنفین اعظم گڑھ، صدق بک ایجنسی لکھنؤ، نسیم بکڈپو لکھنؤ، ادارۂ فروغ اردو لکھنؤ، حیدر آباد اور پاکستان سے شائع ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد کلکتہ میں ان کے ایک نادیدہ مخلص و معتقد حاجی منظور علی صاحب مرحوم نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارۂ انشائے ماجدی قائم کیا، جہاں سے اب تک چودہ کتابیں بڑی نفاست سے شائع وہ شائع کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مکتبہ جامعہ دہلی، صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ سے بھی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، یوپی اردو اکیڈمی اور ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد نے بھی ایک ایک کتاب شائع کی۔ ان کے ادبی تبصروں پر مشتمل ایک کتاب اردو کونسل دہلی کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ اوّل

فہرست تصنیفات مولانا عبدالماجد دریابادی

۱۔ قرآنیات ومتعلقات

۱۔	تفسیر ماجدی	(قرآن مجید کا اردو ترجمہ مع تفسیر)
۲۔	ارض القرآن یا جغرافیہ قرآنی	
۳۔	اعلام القرآن	
۴۔	حیوانات القرآن	
۵۔	سیرۃ نبوی قرآن کی روشنی میں	
۶۔	ذکر رسولؐ	
۷۔	بشریت انبیاء	
۸۔	قصص ومسائل	
۹۔	مشکلات القرآن	
۱۰۔	مناجات مقبول	
۱۱۔	چہل حدیث	
۱۲۔	تقلید وحدود تقلید	
۱۳۔	مرشد کی تلاش	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ تصوف اسلام
۱۵۔ خطبات نکاح
۱۶۔ شوق آخرت

۲۔ادبیات

۱۷۔ انشائے ماجد یا لطائف ادب
۱۸۔ مقالات ماجد
۱۹۔ وفیات ماجدی

۳۔تراجم وترتیب

۲۰۔ پیام امن
۲۱۔ تاریخ اخلاق یورپ
۲۲۔ مکالمات برکلے
۲۳۔ نامورانِ سائنس
۲۴۔ مثنوی بحرالمحبت مصحفی
۲۵۔ فیہ مافیہ
۲۶۔ خطوط مشاہیر
۲۷۔ مکتوبات سلیمانی (۲ جلد)
۲۸۔ تحفہ خسروی

۴۔سوانح وتاثرات

۲۹۔ آپ بیتی — خودنوشت
۳۰۔ محمد علی ذاتی ڈائری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۱۔ حکیم الامت: نقوش و تاثرات
۳۲۔ چند سوانحی تحریریں
۳۳۔ معاصرین
۳۳(الف) محمود غزنوی

۵۔ سفرنامے

۳۴۔ سفر حجاز
۳۵۔ گیارہ سفر
۳۶۔ ڈھائی ہفتہ پاکستان میں
۳۷۔ تاثرات دکن

۶۔ فلسفہ و نفسیات

۳۸۔ فلسفہ جذبات
۳۹۔ مبادی فلسفہ
۴۰۔ ہم آپ
۴۱۔ غذائے انسانی
۴۲۔ فرائض والدین

۷۔ مکتوبات

۴۳۔ مکتوبات ماجدی (جلد اول)
۴۴۔ مکتوبات ماجدی (جلد دوم)
۴۵۔ مکتوبات ماجدی (جلد سوم)
۴۶۔ مکتوبات ماجدی (جلد چہارم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۷۔ مکتوبات ماجدی (جلد پنجم) زیر طبع
۴۸۔ مکتوبات ماجدی (جلد ششم) زیر کتابت
۴۹۔ رقعات ماجدی

۸۔ تنقیدات

۵۰۔ اقبالیات ماجد
۵۱۔ تبصرات ماجدی زیر طبع
۵۲۔ اکبرنامہ

۹۔ نشریات

۵۳۔ نشریات ماجد (حصہ اول)
۵۴۔ نشریات ماجد (حصہ دوم)

۱۰۔ ڈرامہ و شاعری

۵۵۔ زود پشیمان
۵۶۔ تغزل ماجدی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ دوم

ہفتہ وار اخبارات کی تفصیل و مشمولات کی ترتیب

۱۔ ہفتہ وار سچ: جنوری ۱۹۲۵ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے مولوی عبدالرحمٰن نگرامی اور مولوی ظفر الملک صاحب کے ساتھ مل کر نکالا۔ اگست ۱۹۲۵ء سے مولانا اس کے ایڈیٹر ہو گئے اور ظفر الملک نے منیجری و انتظام کی ذمہ داری لے لی۔ مولوی عبدالرحمٰن نگرامی کا انتقال جلد ہی ہو گیا تھا (۱۹۲۶ء)۔

سچ کی پیشانی پر شیخ سعدیؒ کا یہ مشہور شعر مستقل طور پر درج رہتا تھا۔

راستی موجب رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از راہ است (شیخ سعدیؒ)

ترتیب و مشمولات: پرچہ آٹھ صفحے کا ہوتا تھا۔ پہلے صفحے پر مولانا سچی باتیں لکھتے تھے جن میں مذہبی، ادبی، اخلاقی، تاریخی عنوانات پر سلیس و عام فہم زبان میں حکمت و موعظت کی باتیں ہوتی تھیں۔ یہ کالم بہت زیادہ مقبول ہوا اور اس کا سلسلہ تینوں ہفتہ وار اخبارات میں قائم رہا اور متعدد اردو اخبار و رسالے انہیں پابندی سے اپنے یہاں نقل کرتے تھے۔ اس کے بعد حالات حاضرہ اندرون ملک کی خبروں پر تبصرہ، ولایتی اخباروں اور رسالوں کے اقتباسات پر رائے زنی ہوتی تھی جو اردو اخباروں کے لئے نئی چیز تھی اس کے علاوہ مولانا مرحوم کے ادبی، مذہبی اور علمی مقالات اور متعدد صاحب علم حضرات کے مضامین اور مراسلات بھی شائع ہوتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد مذہبی اور ادبی کتابوں پر تبصرے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شائع ہونے لگے۔ بنیادی طور پر ایک مذہبی پرچہ تھا۔لیکن اس میں ادبی چاشنی اور دلآویزی بھی ہوتی تھی۔ ہندو مسلم، رد بدعات اور اصلاح معاشرے کی کوششوں کے ساتھ اس کا سب سے بڑا کارنامہ فرنگی تہذیب اور فرنگیت کی بے وقعتی اور تحقیر پڑھنے والوں کے دلوں میں اتارنا تھا۔تحریک خلافت، ہندو مسلم اتحاد، ستیہ گرہ، چرخہ، سودیشی اور گاندھی جی کی حمایت سچ میں برابر ہوتی رہتی تھی۔

سچ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک شائع ہوا جس میں چند ہفتوں کا التوا ۱۹۲۹ء میں مولانا کے سفر حج اور پھر ۱۹۳۰ء میں حکومت یوپی کی طرف سے ضمانت طلبی کی وجہ سے ہوا۔ پرچہ الناظر پریس لکھنؤ سے ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔کاغذ اور طباعت معمولی ہونے کے باوجود پرچہ ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ سچ دینی و ادبی معاملات پر اپنے احتساب کی وجہ سے مشہور ہوا۔

جامعہ دہلی کے قابل اعتراض مضامین، رسالہ نگار کی غیر اسلامی روش ''انگارے'' کتاب کی فحاشی، مرزا عظیم چغتائی کے کلام مجید، حدیث وعلماء وفقہاء کے خلاف بدزبانی وغیرہ سچ کے ایسے معرکے تھے جس میں اس کو قابل ذکر کامیابی ہوئی۔

۱۹۳۳ء میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ وتفسیر کی مشغولیت کی بنا پر مولانا نے سچ بند کر دیا۔نو سالہ سچ کا تجزیاتی اشاریہ خدا بخش لائبریری کے پروجیکٹ کے تحت راقم الحروف نے مرتب کیا اور شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ ہفتہ وار صدق: ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا اور دسمبر ۱۹۵۰ء تک مولوی عبدالرؤف عباسی کی منیجری میں حق پریس لکھنؤ میں شائع ہوتا رہا۔اس کی پیشانی پر آیہ قرآنی الذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون۔(اور وہ جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں) پابندی سے شائع ہوا کرتی تھی۔

اپنے پیش رو سچ کی طرح صدق بھی ایک نیم ادبی اور نیم مذہبی پرچہ تھا۔علاوہ سچی باتوں اور شذرات کے مولانا مرحوم نے اس میں قرآن کی تفسیر و ترجمہ، مشورے اور گزارشیں، اپنے مراسلہ نگاروں سے نئی کتابوں کے کالم شروع کئے۔ باوجود اپنی ناقص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طباعت کے پرچہ علمی وادبی حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس دور میں بھی فتنہ نگار، جماعت اسلامی پر اصولی تنقید، فحش نگاری اور تہذیب مغربی کے مفسدات کے خلاف ان کا قلمی جہاد جاری رہا۔ آخر ۱۹۵۰ء میں انتظامی امور میں اختلاف کی بنا پر صدق کی اشاعت بند کر دی گئی اور دسمبر ۱۹۵۰ء میں صدق جدید کا اجراء مولاناؒ کے اپنے انتظام میں شروع ہوا۔ اس کا تشریحی انڈکس خاکسار کا بنایا ہوا خدا بخش لائبریری سے چھپ گیا ہے۔

صدق جدید: دسمبر ۱۹۵۰ء سے مرحوم کے انتقال جنوری ۱۹۷۷ء تک پابندی سے نکلتا رہا۔ اس کے منیجر مولانا مرحوم کے لائق بھتیجے اور داماد حکیم عبدالقوی تھے جو ہر ہفتہ دریابادجا کر صدق کے مضامین لا کر لکھنؤ سے شائع کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بھی وہ ۱۹۸۵ء تک اس اخبار کو نکالتے رہے۔ صدق اور صدق جدید کی اشاعت کے دوران مولانا ہندو مسلم اتحاد، مشرقی اقدار، اردو اور ادب صالح کو بڑھانے اور ترقی دینے کے لئے کوشاں رہے اور انہوں نے صحافت کے چند زریں رہبر اصول وضع کئے جن سے اردو صحافت کو بڑی تقویت پہنچی۔ ان کے نزدیک صحافت ایک قسم کی عبادت اور خدمت خلق کا طریقہ ہے جس کو تجارت یا نفع کی خاطر نہیں اختیار کرنا چاہیئے، ملک وملت کی ہر ممکن خدمت کرنا چاہیئے، اختلافات اور گرفتیں اصول اور اقوال پر ہونی چاہئیں، شخصی حملوں اور ذاتیات پر طنز و استہزا سے ہمیشہ بچنا چاہیئے نیز سستی چیزیں، فحش نگاری، غلط ترکیبوں اور زبان کی غلطیوں سے محتاط رہنا چاہیئے، دوسروں کے احتساب کے ساتھ اپنا احتساب بے حد ضروری ہے اور آخری اور حقیقی عدالت کے حساب کتاب سے ڈرنا چاہیئے۔ صدق جدید میں مولانا مرحوم کی نثری تقریریں، ادبی مقالات، سفرنامے، قرآنی ترجمے وتفسیر کے علاوہ ملک کے مستند علماء اور ادیبوں کے مقالات ومراسلات شائع ہوتے رہتے تھے۔

ادبی وصحافتی اعتبار سے مولانا مرحوم کے یہ تینوں ہفتہ وار اعلیٰ درجہ کے اخبارات میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان کا درجہ تاریخ ادب میں بہت بلند اور امتیازی ہے۔

صدق جدید کا انڈکس بغرض اشاعت خدا بخش لائبریری پٹنہ کے پاس ہے۔

ان تینوں اخبارات کی مکمل ۵۲ جلدیں معہ سچ وصدق کے انڈکس کے راقم الحروف کے پاس موجود ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ سوم

اہم حالات کا تاریخ وار تذکرہ

والد کا نام	حاجی مولوی عبدالقادر صاحب تھا۔
۱۶/مارچ ۱۸۹۲ء	پیدائش قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی کے ایک قدوائی گھرانے میں ہوئی۔
۱۹۰۸ء	گورنمنٹ اسکول سیتاپور سے ہائی اسکول پاس کیا۔
۱۹۱۲ء	کیننگ کالج لکھنؤ سے بی.اے. کی ڈگری حاصل کی۔(اس زمانے میں اس کا الحاق الٰہ آباد یونیورسٹی سے تھا)۔
۱۹۱۲ء-۱۹۱۳ء	ایم.اے. (سائیکلوجی) کی تعلیم کے لئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور سینٹ اسٹیفن کالج دہلی گئے مگر والد کے انتقال اور خانگی وجوہ کی وجہ سے کورس پورا نہ کر سکے۔
۱۹۱۳ء	پہلی انگریزی کتاب سائیکالوجی آف لیڈرشپ لوئی فشر لندن نے شائع کی۔
جون ۱۹۱۶ء	شیخ یوسف الزماں صاحب رئیس باندہ کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔
۱۹۱۸ء	۱۹۰۹ء سے شروع ہوئے الحاد کے دور سے مذہب اسلام کی طرف واپسی ہوئی۔
۱۹۲۲ء	علمی و تصنیفی مشاغل کے لئے لکھنؤ سے آبائی وطن قصبہ دریاباد منتقلی ہوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۲۵ء ہفتہ وار سچ نکالا۔

۱۹۲۹ء حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔

۱۹۳۳ء انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن کا کام شروع کیا۔

۱۹۳۵ء اردو ترجمہ وتفسیر قرآن کا کام شروع کیا۔

۱۹۳۵ء ہفتہ وار صدق جاری کیا۔

دسمبر ۱۹۵۰ء ہفتہ وار صدق جدید اپنے انتظام میں جاری کیا۔

اپریل ۱۹۶۷ء حکومت ہند کی طرف سے عربی میں فضیلت کا نیشنل ایوارڈ ملا۔

۱۹۶۷ء حکومت یوپی کی طرف سے بہترین اردو مصنف کا ایوارڈ ملا۔

۱۹۷۴ء فالج کا ہلکا حملہ ہوا۔

۱۹۷۶ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی آنریری ڈگری عطا کی۔

۶ رجنوری ۱۹۷۷ء خاتون منزل لکھنؤ میں انتقال ہوا اور تدفین دریاباد میں ہوئی۔

☆☆☆

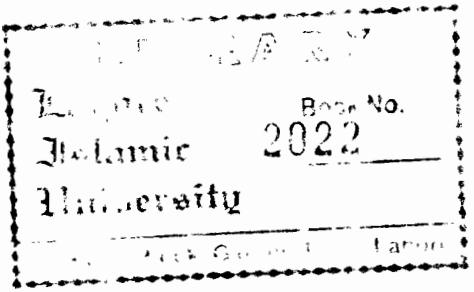

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہماری مطبوعات

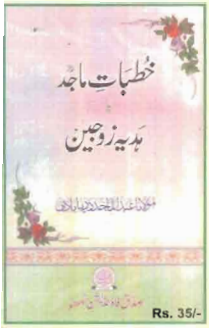

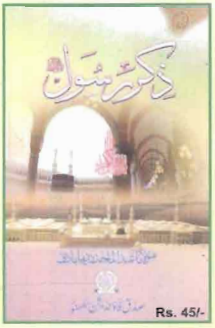

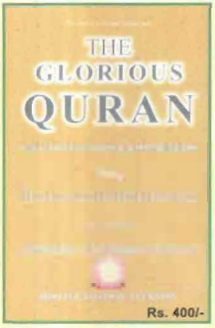

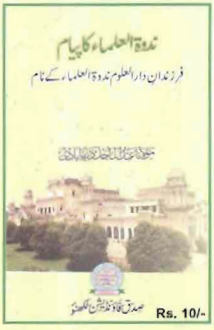

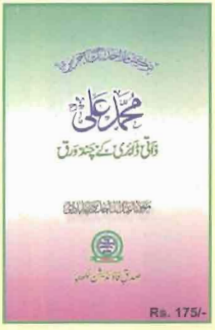

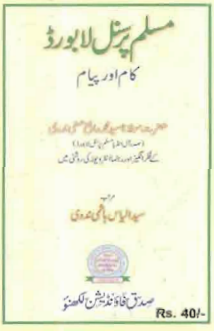

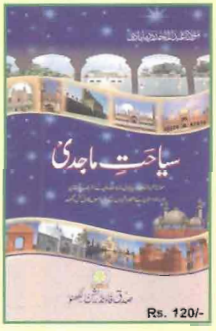

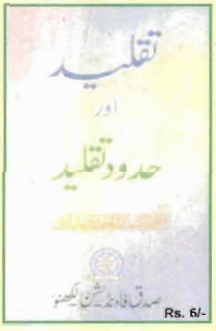

Publisher :
SIDQ FOUNDATION
Khatoon Manzil, Haider Mirza Road, Golaganj, Lucknow-18
www.sidqfoundation.com E-mail:info@sidqfoundation.com
E-mail: nrsiddiqui@rediffmail.com Mob.: 9335929670